بسم الله الرحمن الرحيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

تو خدا جس شخص کو راہِ راست دکھلانا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام (کی دولت) کے واسطے (صاف اور) کشادہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہی کی حالت میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ دشوار گزار کر دیتا ہے گویا (قبول ایمان) اس کے لئے آسمان چڑھنا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا ان پر برائی کو اسی طرح مسلّط کر دیتا ہے۔ اور (اے رسولؐ) یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کا (بنایا ہوا) سیدھا راستہ ہے۔ عبرت حاصل کرنے والوں کے واسطے ہم نے اپنے آیات تفصیلاً بیان کر دیئے ہیں۔ (سورۃ الانعام: آیت ۱۲۵، ۱۲۶)

فصلنامہ

راہ اسلام

شمارہ : ۱۹۵ - جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔ ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی - ۱۱۰۰۰۱

فون :- ۲۳۳۸۳۲۳۲،۳۳،۳۴ فیکس:- ۲۳۳۸۷۵۴۷

http://www.iranhouseindia.com

director@iranhouseindia.com

ایڈیٹر،پرنٹروپبلشر:

جلال تمله

معاونین علمی:

ڈاکٹر علی محمد نقوی

ڈاکٹر اختر مہدی رضوی

تزئین کار	:	مجید احمدی وخانم عائشه فوزیه
کمپوزنگ	:	قاری محمدیاسین
پریس	:	اے۔ ایس ٹائپ سیٹر 4903گراؤنڈ فلور چاندنی چوک دھلی۔۱۱۰۰۰۶
ناشر	:	خانه فرهنگ جهوری اسلامی ایران ۱۸ ۔تلک مارگ۔نئی دھلی ۔۱۱۰۰۰۱

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مقالے کا
اسلامی جمهوریه ایران کے نظریات کے مطابق ہونا لازمی نہیں ہے۔

اِس شمارے میں

اداریہ	اسلامی انقلاب اور امام خمینیؒ	ادارہ	۶
	خواجہ یوسف ہمدانی کے بارے میں ...	ڈاکٹر غلام حسین زادہ، تہران	۹
مناسبت			
	ایران امریکی دھمکیوں کے سایہ میں	ڈاکٹر اختر مہدی	۱۷
عقائد شناسی			
	نبی کی معرفت مقصد کی جانب ...	علامہ محمد حسین طباطبائیؒ	۲۳
	اتحاد ملت۔ مسائل اور ان کا حل	ڈاکٹر عبد الحق انصاری	۴۳
	عبادت	مولانا حیدر مہدی لکھنؤ	۴۹
	داستانی انداز فکر	مولانا سید ناصر زیدی مرحوم	۶۴
حدیث شناسی			
	ایمان و معرفت کا تعلق	علامہ محمد رضا حکیمی	۷۱
تاریخ اسلام			
	ہجرت کے پانچویں سال کے واقعات	آیت اللہ جعفر سبحانی	۱۱۹
	ہندوستان میں "ہمدان" کے چند صوفیائے کرام	ڈاکٹر شاہد اقبال	۱۳۴
	کوفہ وشام میں امام سجاد کی حکمت عملی	سید شاہ جمال رضوی	۱۴۲
فرہنگ وتمدن			
	ایرانی رسم روضہ خوانی کا رواج ...	پروفیسر حکیم سید کمال الدین حسین ہمدانی	۱۵۰
شعر و ادب			
	ہندوستان میں فارسی شاعری کا آخری دور	ڈاکٹر محمد نیاز احمد	۱۵۸
	دیوان خادم بردوانی ، اجمالی تعارف	محمد امین عامر، کلکتہ	۱۶۶
	نظم، بیٹی	ایس مراد نقوی سنبھلی	۱۸۶
	نظم، لہو	رزاق افسر	۱۸۹

اداریہ:

اسلامی انقلاب اور امام خمینیؒ

اسلامی انقلاب کے قائد عظیم الشان آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے ملک گیر عام چناؤ کے بعد ایک نو تشکیل شدہ پارلیمان کے افتتاحی اجلاس سے اپنے خطاب کے دوران ارشاد فرمایا تھا:

"امام خمینی کے نام کے بغیر اس انقلاب کی دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی شناخت نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ساتھ اگر یہ سوال کیا جائے کہ دوسری صدی کے نصف آخر میں غیر معمولی اسلام دشمن ماحول میں اسلام اور ملت اسلامیہ کی حفاظت اور دین مبین اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کارنامہ کس نے انجام دیا؟ ظالم سے نفرت وبیزاری اور مظلوم کی بھرپور حمایت کا شعور کس نے دیا؟ دوست ودشمن کی شناخت کا سلیقہ کس نے سکھایا؟ عالم اور عالم نما افراد اور امریکی اسلام وخالص اسلام محمدی کے درمیان پہچان کی مہارت کس نے دی؟ صرف اتحاد بین المسلمین ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام مظلوموں اور کمزور وپسماندہ لوگوں کو باہمی اتحاد کا پیغام کس نے دیا؟ خواتین سے اپنی حیثیت عرفی کی حفاظت کا مطالبہ کس نے کیا؟ عصر حاضر میں ایران کی مسلمان خواتین کو حجاب کی عظمت وفضیلت کی طرف کس نے متوجہ کیا؟ آزادی وفحاشگری کے اسرار ورموز سے لوگوں کو کس نے باخبر کیا؟ اسلامی اور مغربی اخلاقی قدروں اور معیاروں کے درمیان موجود بنیادی فرق کو دنیا والوں کے سامنے کس نے واضح کیا؟ دنیا میں پہلی بار قرآن اور سنت کی بنیاد پر اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل کا کارنامہ کس نے انجام دیا؟ دنیا میں پہلی بار اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل کس نے کی؟ دو بھیڑیا صفت بڑی طاقتوں کے درمیان بٹی ہوئی دنیا میں "لاشرقیہ، لاغربیہ، جمہوریہ اسلامیہ" کا نعرہ کس نے بلند کیا؟ دونوں بڑی طاقتوں کی خفیہ واعلانیہ حمایت کے ساتھ ایران پر مسلط کردہ جنگ کے دوران غیر معمولی

ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے جنگ کو ملت ایران کے لئے نعمت ثابت کس نے قرار دیا؟ تہران میں واقع امریکی جاسوسی کے اڈہ پر قبضہ اور جاسوسوں کو یرغمال بنانے کی تحریک کو انقلاب دوم کے نام سے کس نے تعبیر کیا؟ دنیا کی دوسری بڑی طاقت کے سربراہ جناب میخائل گورباچف کو لازمی مطالعہ و تحقیق کے بعد اسلام قبول کرنے کی دعوت کس نے دی؟ دنیا میں تحریک اشتراکیت کی نابودی کی پیشین گوئی سب سے پہلے کس نے کی؟ استقلال و آزادی اور انسانی و نسوانی حقوق کی حمایت میں جھوٹے اور کھوکھلے نعرے بلند کرنے والی سامراجی طاقتوں کے چہرے پر پڑی ہوئی مصلحت اندیشی کی نقاب کس نے الٹ دی؟ عالمی سامراج کے زرخرید غلام سلمان رشدی کی اہانت آمیز اسلام دشمن حرکت پر پوری اسلامی دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی اور ہر طرف موت جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسے ماحول میں رشدی کے خلاف موت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے اسے زندہ درگور کس نے بنادیا؟ دنیا میں پہلی بار سامراجی ثقافتی حملات کا احساس کس نے کیا؟

ظاہر ہے کہ اس قسم کے سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ یہ امام خمینیؒ کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کا نصف سے زیادہ حصہ اپنی سامراج دشمن انقلابی سرگرمیوں میں بسر کیا اور اپنے جد بزرگوار حسینؑ مظلوم کی پیروی کرتے ہوئے واقعہ کربلا کا عملی رنگ وروپ اس مادیت زدہ دنیا کے سامنے ایسے انداز میں پیش کردیا کہ ایران کا ہر نوجوان حضرت قاسم اور حضرت علی اکبر کی طرح شہادت کا متوالا ہوگیا اور عالمی فضا پر خمینیؒ کی یہ آواز سایہ فگن ہوگئی کہ ''ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اسی محرم کی دین اور حسینؑ مظلوم کا عطیہ ہے۔'' اور اس دعوے کی دلیل دنیا کے تازہ اور مہلک ترین اسلحوں سے مسلح ایرانی شاہی حکومت کی ظالمانہ راہ وروش کے مقابلے میں خالی ہاتھ ایرانی مجاہدوں کی وہ عظیم الشان کامیابی ہے جس نے عالمی سیاسی محاسبات کی بساط الٹ دی۔ خمینیؒ حسینیہ جماران میں نہایت اطمینان قلب کے ساتھ یاد الٰہی میں بوریہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے اور عالیشان محلوں میں زندگی بسر کرنے والوں کی

نیندیں حرام ہو گئیں اور انھیں شرمناک شکست سے بھی ہم کنار ہونا پڑا۔ وہ بار بار لوگوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ مرد مسلمان کی عظمت و بزرگی اور پیشرفت و ترقی کا معیار مادی دنیا کی ترک بھڑک نہیں بلکہ رضا و خوشنودی پروردگار ہے۔

شاید یہی وہ حقائق ہیں جن کو نگاہ میں رکھتے ہوئے امام خمینی قدم بہ قدم اسلامی انقلاب کو انحراف و بے راہ روی سے بچاتے رہے اور انقلابی سرگرمیوں کے دوران الٰہی نمونوں کی پیروی کی دعوت دیتے رہے اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد انہوں نے ملک میں اسلامی جمہوری حکومت کی بنیاد رکھی اور حکومت کو ایسے آئین و قوانین کا پیرو قرار دیا جس کی اساس قرآنی تعلیمات اور پیغمبرؐ کے اہلبیت اطہار کی سیرت ہے جس کی روشنی میں حاکیت مطلقہ پروردگار عالم کے ہاتھوں میں ہے۔ پارلیامنٹ کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ عوام کے ذریعہ منتخب کئے گئے اراکین پارلیامنٹ عصری مسائل و معاملات کو طے کرنے کے لئے باہمی مشورہ کے ذریعہ اتفاق رائے حاصل کرسکتے ہیں لیکن متفقہ فیصلے کا شریعت کا تابع ہونا لازمی ہے اور اسی طرح جمہوری حکومت میں سرکاری ادارہ ہو یا ذاتی دفتر و کمپنی، گھریلو امور ہوں یا قومی و عالمی معاملات و مسائل ہر شعبہ حیات یا زندگی کے ہر مرحلہ میں انسان کو وہی کام انجام دینا ہے جس کے ذریعہ اسے خداوند عالم کی رضا و خوشنودی حاصل ہوسکے۔

جی ہاں! امام خمینیؒ نے اپنی انقلابی سرگرمیوں کے دوران اپنے ارشادات واحکامات کے ذریعہ الٰہی قدروں کے احیاء کی کوشش کی جس کے بموجب ہر اعلیٰ افسر اپنے سے کمتر درجے کے لوگوں کو حکم صادر کرتے وقت خوشنودی خدا کے تصور کو ذہن سے محو نہیں ہونے دیتا اور کم رتبہ افسر وملازمین اپنے امیر یا مدیر جماعت کی پیروی میں خوشنودی پروردگار کی جھلک محسوس کرتے ہیں اور دونوں کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہے کہ ان کا خدا انہیں دیکھ رہا ہے۔

جی ہاں! خمینیؒ نے ملت اسلامیہ عالم کو اسی راہ کی نشاندہی کی ہے اور یہی ”راہ اسلام“ ہے جس میں ہر دوستی و دشمنی کا معیار خداوند عالم کی رضا و خوشنودی ہے۔ والسلام

❁❁❁

ڈاکٹر غلام حسین زادہ
تہران یونیورسٹی، تہران

خواجہ یوسف ہمدانی کے بارے میں کچھ

اہم باتیں

خواجہ ابو یعقوب یوسف ابن ایوب ابن یوسف ابن حسین ابن وھریہ بوز بخردی ہمدانی کی ولادت شہر ہمدان میں ہوئی۔ ۱۸ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ بغداد چلے گئے اور اس دور کے جید عالم اور غیر معمولی شہرت کے حامل دانشور شیخ ابو اسحاق شیرازی کی شاگردی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں سرگرم ہوگئے۔ واضح رہے کہ شیخ ابو اسحاق شیرازی کو (476A.H./1083A.D.) اس زمانے میں مدرسہ نظامیہ میں علم حدیث وعلم فقہ اور علم بیان کے شعبے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ اس کے بعد انھوں نے اصفہان ، سمنان اور خراسان کا سفر اختیار کیا اور شیخ ابو عبد اللہ جوینی، شیخ حسن سمنانی (476A.H./1017A.D.) اور شیخ ابو علی فرمدی جیسے بزرگ صوفیاء کرام سے ملاقات وگفتگو کا شرف حاصل کیا۔ خواجہ یوسف بڑی دلچسپی کے ساتھ ان بزرگوں کے درس میں شریک رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ روز بروز تصوف کی طرف مائل ہوتے چلے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے سمرقند، بخارا، مرو اور ہرات جیسے مشہور شہروں کا سفر اختیار کیا اور درس وتدریس کے کاموں میں لگے رہے۔ ۵۰۶ھ مطابق ۱۱۱۲ء میں انھوں نے دوبارہ بغداد کا سفر اختیار کیا اور وہاں انھوں نے اپنے تبلیغاتی خطبات بھی جاری رکھے۔ اس سفر کے دوران انھوں نے ابن

سقا سے ملاقات کی اور ان کی قسمت کے بارے میں پیشین گوئی کا معاملہ بھی اسی سفر کے دوران رونما ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا آخری وقت اکثر وبیشتر شہر مرو اور ھرات میں بسر کیا۔ اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں ھرات سے مرو جاتے وقت ھرات اور بادغیس کے درمیان واقع باغ شور نامی علاقہ میں انہوں نے دم توڑ دیا۔ یہ علاقہ شہر بامیان سے متصل ہے۔ آخرکار انہیں اسی علاقے میں دفن کردیا گیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد ان کے شاگرد عزیز ابن نجار نے ان کے جسد خاکی کو بامیان سے مرو منتقل کردیا جہاں اس وقت ان کا مزار واقع ہے۔[1]

حضرت خواجہ یوسف کی زندگی کا سرسری مطالعہ کرتے وقت کچھ اہم باتیں دکھائی دیتی ہیں جن کا تجزیہ کیا جانا لازمی معلوم ہوتا ہے۔ پہلی اہم بات ان کی کنیت ''ابو یعقوب'' سے وابستہ ہے۔ دولت شاہ سمرقندی اور حمد اللہ مستوفی جیسے کچھ لوگوں نے غلطی اور لاعلمی کی وجہ سے اپنی کتابوں میں انہیں ''ابو یوسف'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ان کی اس بھول کی وجہ سے عصر حاضر کے محققین اس کی تکرار کرتے چلے جارہے ہیں لہذا خواجہ ابو یعقوب یوسف کی زندگی کے بارے میں تحقیق کرنے والے لوگوں کو اپنی تحقیق کے دوران صرف ابو یعقوب اور خواجہ یوسف جیسے نام پر اکتفا نہ کرنی چاہئے بلکہ فہرست اسامی کا مطالعہ کرتے وقت ''یوسف ہمدانی'' پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

دوسری اہم بات ان کی ولادت گاہ سے وابستہ ہے۔ درحقیقت ان کی ولادت گاہ ''بوزنجرد'' ہمدان سے ساوہ اور ری جاتے وقت پہاڑ کی سفید چوٹی پر واقع ہے۔ اگرچہ شہر ہمدان میں اس نام کا کوئی گاؤں نہیں پایا جاتا ہے لیکن جناب علی رضا اذکائی قرۃ کوزلو اور ڈاکٹر پرویز اذکائی ہمدانی[2] کا خیال ہے کہ بی جان گرد نامی گاؤں جس کو اس گاؤں کے لوگ ''بی جانی'' بھی کہتے ہیں، درحقیقت وہی قدیمی گاؤں ہے جس کو ماضی میں بوزنجرد'' کہا جاتا تھا۔

تیسری اہم بات ان کے مدفن سے متعلق ہے جس کے بارے میں تمام محققین نے پروفیسر سعید نفیسی کے بیان کو بنیاد قرار دیتے ہوئے[3] یہ لکھا ہے کہ خواجہ یوسف کا مقبرہ شہر

مرو سے تقریباً ۳۰ کیلو میٹر کے فاصلے پر بیرام علی کے قریب واقع ہے۔ یہ بیان تو بالکل درست ہے لیکن اس میں ایک غلط فہمی کا امکان ضرور ہے کہ لوگ موجودہ شہر مرو سے ۳۰ کیلو میٹر کے فاصلے پر خواجہ کا مقبرہ تلاش کرنے لگیں گے۔

درحقیقت خواجہ کا مقبرہ پرانے شہر کے اندر سلطان سنجر کے مقبرہ سے تقریباً ایک کیلو میٹر فاصلے پر واقع ہے جو شہر سے ۳۰ کیلو میٹر کے فاصلے پر آباد ہے وہ میری ہے جس کو ماری کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن مرو نہیں کہتے۔ اس علاقے کے رہنے والے بھی اسے مرو قدیم کے نام سے جانتے ہیں لیکن اکثر لفظ قدیم کا استعمال نہیں کرتے۔ درحقیقت شہر بیرام علی شہر مرو کے باہر اور شہر ساری سے تقریبا ۲۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے لہٰذا اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خواجہ کا مقبرہ قدیم مرو شہر میں سلطان سنجر کے مقبرہ کے قریب واقع ہے۔

اس سلسلے میں چوتھی اہم بات ابن نجار سے وابستہ ہے جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خواجہ کے جسد کو مرو منتقل کیا اور بعد میں ان کی قبر کے اردگرد مقبرہ کی تعمیر بھی کرائی۔ لیکن فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابن نجار کون تھے؟ کیا یہ یوسف خواجہ کے شاگرد و مرید تھے؟ خواجہ یوسف کی وفات کے کتنے سال بعد ان کی قبر اس علاقے میں منتقل کی گئی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا اب تک کوئی جواب موجود نہیں ہے البتہ قیاس آرائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر یہ شخص وہی مفسر و مورخ اور ماہر علم و ادب ہے جس نے صوفیا سے اپنی گہری عقیدت کی وجہ سے مشرقی ایران کا سفر اختیار کیا تھا ہے اور جس کو شہر بغداد میں بڑی شہرت حاصل تھی تو اس کو خواجہ کا شاگرد کہنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کی ولادت خواجہ کی وفات کے ۴۳ سال بعد ہوئی تھی۔ لہٰذا اس مسئلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ابن نجار نام کا کوئی دوسرا شخص ہے جس کے احوال و آثار کے بارے میں ہم لوگوں کو اب تک کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ قطعی طور پر یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ اس نے بغداد، اصفہان، سمنان۔ خراسان سمرقند، بخارا، مرو ھرات اور دیگر علاقوں اور ملکوں کا سفر کب کیا اور کس شہر

میں کتنی مدت تک قیام کیا۔مثال کے طور پر صحابیہ کے تحقیقی مقالہ کے علاوہ جس پر زیادہ انحصار نہیں کیا جاسکتا ، کسی دوسرے مستند تحقیقی بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے مقدس مذہبی مقامات کی زیارت بھی کی۔ اس سلسلے کا دوسرا سوال ابن نجار کے دوسرے سفر بغداد سے متعلق ہے کہ اس سفر کے دوران وہ بغداد میں کتنے دنوں تک قیام پذیر رہے؟ دوسری بار وہ عراق کیوں گئے؟ کیا وہ اسی سفر کے دوران ہمدان ہوتے ہوئے بغداد گئے؟ اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ ہمدان کے راستہ بغداد گئے ہوں لیکن یہ بالکل نہیں معلوم کہ وہ ہمدان میں کتنے دن قیام پذیر رہے اور اس ناواقفیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مستند کتب تذکرہ وتاریخ میں ان باتوں کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

عبد اللہ جوینی کے بارے میں جو ابتدائی اسناد ومدارک موجود ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خواجہ کے سید وسردار ومرشد تھے لیکن خواجہ کے ہمعصر صوفیاء میں اس نام کا کوئی صوفی بزرگ موجود نہیں ہے۔ ملا جامی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''نفحات الانس'' ۸ میں ابو عبد اللہ محمد بن حموی کو شیخ ابو الحسن کا شاگرد قرار دیا ہے جو شیخ حسن سمنانی المعروف بہ سکاک کے معاصر تھے۔ ان کی طرح وہ بھی شیخ ابو الحسن بستی کے پیرو تھے جو شیخ ابو علی فرمدی کے پیرو تھے شیخ ابو علی فضل بن محمد بن علی فرمدی درحقیقت شیخ ابو القاسم قشیری اور سید عثمانی ذکی تالشی کے شاگرد تھے جس کے بعد خواجہ یوسف کے شاگردوں میں عبد اللہ جوینی کی جگہ ابو عبد اللہ جوینی کا نام لینا چاہیے۔

ہم لوگوں کو خواجہ یوسف ہمدانی کے جانشین خواجہ عبد اللہ براقی خوارزمی کے سال وفات کا بھی کوئی علم نہیں ہے کیونکہ اس دور کے تاریخی اسناد ومدارک میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے البتہ ان اسناد میں خود خواجہ اور ان کے دوسرے جانشین خواجہ حسن اندقی نجاری (۱۱۵۷/۵۵۲) کا ذکر موجود ہے۔

بہر حال مستند کتب تاریخ وتذکرہ میں موجود عبارتوں سے اس حقیقت کی نشاندہی نہیں

ہوتی ہے کہ حکیم سنائی خواجہ یوسف ہمدانی کے شاگرد تھے بلکہ اکثر مورخین اور دانشمندوں نے اس سلسلے میں شک کا اظہار کیا ہے۔ ۱۰ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر حکیم سنائی خواجہ یوسف کے شاگرد ہوتے تو انہوں نے اس کا ذکر ضرور کیا ہوتا۔ چونکہ سنائی نے اپنی کسی تالیف میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے لہذا اس بات پر باور نہیں کیا جاسکتا کہ خواجہ یوسف ہمدانی اور سنائی کے درمیان استاد وشاگرد کا رشتہ تھا۔ ۱۱ پھر بھی دونوں صوفی بزرگوں کے درمیان ملاقات کا امکان ضرور ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے معاصر تھے لیکن سنائی سن وسال کے اعتبار سے ان سے چھوٹے ضرور تھے کیونکہ وہ ۴۷۳ ہجری مطابق ۱۰۸۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ نوجوان ہونے کی وجہ سے انہوں نے پہلے غزنی اور اس کے بعد خراسان کا سفر اختیار کیا اور برسوں بلخ، سرخس، مرو، ہرات اور نیشاپور میں قیام پذیر رہے۔ ان کی وفات اسی زمانہ میں واقع ہوئی جس زمانہ میں خواجہ یوسف ہمدانی نے اس دارفانی کو الوداع کہا ۱۲ ان حقائق کی روشنی میں یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ دونوں صوفی بزرگوں کے درمیان ملاقات ہوئی ہو۔

اس ضمن میں تیسری چیز خواجہ یوسف ہمدانی کے آثار وتصانیف سے متعلق ہے۔ بیشتر محققین نے بالخصوص رتبات الحیاۃ پر ڈاکٹر امین اللہ ریاحی کے تعارف کی وجہ سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ یہ کتاب ان کی اکلوتی یادگار ہے اور دیگر کتابوں کے سلسلے میں ان لوگوں نے ان تصانیف کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا ذکر کتب تاریخ میں موجود ہے۔ ایک طویل عرصہ سے صوفیانہ آثار وافکار کی تحقیق میں سرگرم جناب مائل ھروی نے یہ اعلان کیا کہ انھیں خواجہ یوسف ہمدانی کی تصنیف کردہ کتاب ''کشف'' حاصل ہوگئی ہے۔ بعض مورخین پہلے بھی خواجہ یوسف ہمدانی کی اس کتاب کی طرف اشارہ کرچکے ہیں۔ اس سے پہلے خواجہ یوسف ہمدانی کے شاگرد ابوجعفر محمد سیرومی نے ایک ذریعہ سے اپنے تحقیقی مقالہ میں اس کتاب کیطرف اشارہ کیا ہے جس کا نام ہے شمس الدین محمد دیلمی کا مقالہ، جناب مائل ھروی کا خیال ہے کہ منازل السایرین ومنازل السالکین نامی کتاب کو خواجہ یوسف سے منسوب کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب

کشف کا بقیہ حصہ ہے جس کا پورا نام اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ''الکشف المنازل السیرین علی اللہ عزوجل پس جناب نجیب مائل ھروی کے بیان کے بموجب منازل نام کی کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ مائل ھروی نے مقالہ کے ساتھ کتاب کے قلمی نسخہ کا وہ صفحہ بھی شائع کردیا تھا جس پر کتاب کا مکمل عنوان موجود ہے اس سے پہلے بعض محققین نے منازل السایرین اور منازل السالکین کو کبھی ایک اور کبھی دو علیحدہ کتابوں کی شکل میں پیش کیا ہے اور ان دونوں کتابوں کو خواجہ یوسف ہمدانی کی تصانیف کی فہرست میں شامل کیا ہے لیکن بعض محققین نے اس بات پر شک کا اظہار کیا ہے کہ یہ خواجہ یوسف ہمدانی کی تصنیف ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ خواجہ عبد اللہ انصاری کی منازل السایرین کا خلاصہ ہے اور کچھ لوگوں نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب کو خواجہ عبد اللہ انصاری سے منسوب کرنا غلط ہے۔

اس کے علاوہ دوسرا مسئلہ خواجہ یوسف ہمدانی کی تصانیف کی فہرست میں قلمی نسخوں پر مشتمل دو نہایت مختصر رسالوں کی شمولیت سے وابستہ ہے۔ جناب جلیل مسگرنژاد نے ان دونوں مختصرترین رسالوں کو شائع کردیا ہے۔ ان میں سے ایک فارسی زبان میں ہے جس کا عنوان ہے ''دربیان توحید'' جو ایک مقالہ کے ساتھ مجلۂ معارف کے دوسرے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے۔ ۱۱؎ اور جس کی اصل کاپی تہران یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا رسالہ عربی زبان میں دس صفحات پر مشتمل ہے اور جس کا عنوان '' صفوۃ التوحید التصفیہ المرید ہے یہ رسالہ بھی مجلۂ معارف میں شائع ہوچکا ہے اور اس کی کاپی کتابخانہ سپہ سالار میں محفوظ ہے ۱۲؎ اس کے علاوہ ہمیں ان کتابوں کو بھی قطعی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جو تصوف و عرفان کی کتابوں کی حیثیت سے منظر عام پر آئی ہیں جیسے احمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب ہے جو رتبات الحیات کی طرح ضخیم بھی ہے۔

قلمی نسخوں کی فہرست میں ایک کتاب '' انوار حکمت '' کے نام سے پائی جاتی ہے

جس پر مصنف کا نام خواجہ یوسف ہمدانی درج ہے۔ یہ کتاب ایران کی قومی لائبریری میں شمارہ/ ۳ ے ۲۰ ۱۴۰ کے ساتھ محفوظ ہے۔ میں نے اس کتاب کی ایک فوٹو کاپی اس نیت کے ساتھ حاصل کی تھی کہ اس کی ترتیب و اشاعت کا کام انجام دوں گا لیکن مطالعہ کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ خواجہ یوسف ہمدانی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اس کا مصنف کوئی اور ہے جس کا عقیدہ شیعہ اسلام پر ہے جبکہ خواجہ یوسف ہمدانی ایک سنی عقیدہ کے حامل صوفی بزرگ تھے۔ اس کے علاوہ بھی اس کتاب کے مصنف کا زمانہ خواجہ حافظ کے بعد کا زمانہ ہے کیونکہ کتاب کے متن میں مصنف نے جگہ جگہ پر حافظ کے اشعار نقل کئے ہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ رسالہ صحابیہ سے جڑا ہوا ہے جو خواجہ یوسف ہمدانی کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ان کے شاگرد خواجہ عبد اللہ تجدوانی کی تخلیق ہے۔ اگر چہ تمام محققین نے اس رسالہ کو عبد الخالق تجدوانی سے منسوب کرنے کو غلط قرار دیا ہے اور اس میں درج باتوں کو بھی تحقیق و تجزیہ طلب بیان کیا ہے تاہم ایشیای وسطی کے اکثر محققین نے خواجہ یوسف ہمدانی کے سلسلے میں جو وقایع اس کتاب میں موجود ہیں ان کو مبنی برحق تسلیم کرتے ہوئے جگہ جگہ بطور حوالہ نقل کر دیا ہے۔اس جگہ اس بات کی وضاحت لازمی معلوم ہوتی ہے کہ خواجہ یوسف ہمدانی کی ولادت وفات، مدفن کے سلسلے میں اس کتاب میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ غلط ہے۔مزید تحقیق واطلاعات کے لئے دائرۃ المعارف اسلامیہ میں موجود رتبات الحیاۃ پر لکھے گئے محمد امین ریاحی کے مقدمہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ۱۵۔ اس کے باوجود استاد سعید نفیسی نے ایران میں اس رسالہ کو شائع کیا اور ان کے علاوہ جناب عارف عثمانی بھی اس کتاب کو ازبکستان میں ازبک زبان میں شائع کر چکے ہیں۔

حوالے:

ا۔عظیم اسلامی دائرۃ المعارف کا تعارف از امین ریاحی جلد ۲ ص ۴۴ جس میں ابویعقوب ہمدانی نامی ذیلی عنوان کے تحت ان کا تذکرہ موجود ہے۔

۲۔تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص۔ ٦۷
۳۔تاریخ گزیدہ ص۔٦۷و ۷۷ ۳
۴۔مجلۂ ایران شناخت شمارہ ۱۲ ص ۴۷
۵۔فصلنامہ ہمدان تابستان ۲۵ ۳ص ۴۷
History of Prose & Poetry Page-2 ۔٦
۷۔دائرۃ المعارف اسلامی جلد ۵ ص ۲۵
۸۔نفحات الانس ملا جامی۔ص ۔۵۷ ۳
۹۔مقالہ مذکور ص۔ ۳۰
۱۰۔تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی ص ۷۷۔نفحات الانس ۔ملا جامی۔ص ۵۹۵،عرفات العاشقین۔ تقی الدین اوحدی اصفہانی، تاریخ فارسی از دکتر ذبیح اللہ صفا جلد ۲ ص۔ ۵۵٦ جناب مدرس رضوی، مولف دیوان سنائی ص۔ ۴۴
۱۱۔دیوان سنائی کا تعارف از مدرس رضوی ص۔ ۴۴
۱۲۔تاریخ فارسی از ذبیح اللہ صفا جلد ۲ ص۔ ۵٦۲ لغایہ ۵۸۲
۱۳۔مجلۂ معارف شمارہ ۲ جلد ۵۰ شمارہ کتاب ۱۸/ ۲۱۱۴ ہے
۱۴۔مجلۂ معارف شمارہ کتاب ۱۷۹۷ کتابخانہ سپہ سالار
۱۵۔دائرۃ المعارف اسلامی ص۔ ۸

☆☆☆☆

ڈاکٹر اختر مہدی
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

ایران امریکی دھمکیوں کے سایہ میں

ایران اور امریکہ کے درمیان باہمی روابط کی تاریخ ہمیشہ غیر معمولی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ سابقہ شاہی دور حکومت میں دونوں ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ایران کو امریکی سرپرستی میں کام کرنے والی دفاعی تنظیم NATO کی رکنیت حاصل تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی ملک ایران کے خلاف سرحدی تجاوز کرتا ہے تو اس کو جملہ NATO ممبر ملکوں کے خلاف حملہ تصور کیا جائے گا اور یہ سبھی ممالک حملہ آور ملک کے خلاف جنگ کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں گے۔ سماجی اور اقتصادی تعلقات کی نوعیت یہ تھی کہ ہزاروں امریکی مشاورین ایران میں زندگی بسر کررہے تھے اور CAPITULATION ACCORD کے تحت ان لوگوں کو بقول امام خمینیؒ یہ اختیار حاصل تھا کہ اگر کوئی امریکی باورچی ایران کے بڑے سے بڑے جید عالم یا سماجی رہنما کے ساتھ بداخلاقی اور بے احترامی کا سلوک کرے تو ایرانی عوام کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ ایران کی کسی عدالت میں اس کے خلاف عدالتی کارروائی کرسکیں بلکہ امریکی شہری چاہے کتنے ہی سنگین جرم کا مرتکب کیوں نہ ہو اس کے خلاف مقدمہ صرف امریکی عدالت میں ہی قائم کیا جاسکتا تھا اور دونوں ملکوں کے درمیان ثقافتی روابط کا یہ عالم تھا کہ تہران مغربی تہذیب وتمدن کا گہوارہ سمجھا جاتا اور اگر کسی کو سیروسیاحت کا شوق پیدا ہوتا تو وہ پیرس کے بجائے تہران چلا جاتا تھا جہاں عریانیت وبرہنگی کا بازار گرم تھا۔ تہران کی سڑکوں پر نیم برہنہ اور ہوٹلوں میں برہنہ جسموں کی نمائش ایرانی عوام کی سماجی زندگی کا معمول بن چکی تھی اور اگر سڑک پر کوئی باحجاب خاتون دکھائی دے جاتی تو اس کا نقاب نوچ کر پھینک دیا جاتا تھا اور اگر کوئی مرد مومن

مزاحمت کی کوشش کرتا تو پولیس اسے قید خانہ میں ڈال دیتی تھی۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرزمین ایران میں اسلام ماضی کی داستان بن چکا تھا۔ حکومت کو اللہ اس کے رسول، ائمہ معصومین اور صاحبان امر کی رضا وخوشنودی اور اطاعت فرمانبرداری کی ہرگز پرواہ نہ تھی بلکہ ہر ایک کی دلی خواہش تھی کہ امریکی افسران اس سے ناراض نہ ہونے پائیں چنانچہ جب شاہی حکومت نے ایرانی شہنشاہی کی ڈھائی ہزار سالہ سالگرہ منائی تو فرانس کی مشہور شراب ساز کمپنی سے ڈھائی ہزار ایسی بوتلیں منگوائیں جو ہر اعتبار سے انفرادیت کی حامل تھیں۔

ایسے اسلام دشمن اور امریکہ نواز ماحول میں ایران میں فروری ۱۹۷۹ء میں کسی اسلامی انقلاب کی کامیابی صاحبان بصیرت کے لئے کسی معجزہ سے کم نہ تھی۔ چنانچہ چودہ سال تک جلا وطنی کی زندگی بسر کرنے کے بعد جب امام خمینی نے اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالی اور ان کے سامنے تشکیل حکومت کی تجویز رکھی گئی تو انھوں نے بڑی قاطعیت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران میں جو حکومت قائم ہوگی اس کا ڈھانچہ "فقط جمہوری اسلامی، نہ یک حرف کم نہ یک حرف زیاد" پر منحصر ہوگا ملک میں نئے آئین کی تدوین عمل میں آئے گی تو دنیا میں رائج امریکی یا برطانوی آئین کے مطابق نہیں بلکہ ملک کا آئین تو قرآنی احکام اور احادیث وسیرت رسول پر مبنی ہوگا۔ انھوں نے ملک کی تمام علمی درسگاہوں اور اسکولوں وکالجوں کو ایک سال کے لئے بند رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر مبنی نصاب درس ترتیب دینے کا حکم دیا اور اپنے مختلف بیانات کے ذریعہ ایرانی قوم کو یہ پیغام دیا کہ دنیا کی بڑی طاقتوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ کی سب سے بڑی طاقت پر بھروسہ کرو۔ مشرق ومغرب کی یہ عظیم طاقتیں تمھیں فائدہ پہونچانے والی نہیں ہیں بلکہ یہ تو اپنے مفاد ومصالح کی نگہبانی میں لگی ہوئی ہیں۔ امریکہ اور سوویت یونین سے ایران کو نقصان کے علاوہ کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ امام خمینی کی تقریروں کے جواب میں ایران کے ہر گوشے سے "امریکہ مردہ باد" کے نعرے بلند ہوگئے۔ تہران میں واقع اسرائیلی سفارت خانہ ہمیشہ کے

لئے بند ہوگیا اور اس عمارت میں فلسطین مظلوموں کا سفارت خانہ قائم ہوگیا۔ اس طرح برسوں سے چلے آرہے ایران امریکہ دوستانہ روابط ختم ہوگئے اور امریکہ ایران دشمنی پر کمر بستہ ہوگیا۔

امریکی حکومت نے صدام کو اس بات کے لئے آمادہ کیا کہ وہ ایران پر فوجی حملہ کردے۔ چنانچہ امریکہ اور عرب ملکوں کی حمایت سے ایران پر جنگ مسلط کردی گئی اور یہ جنگ آٹھ سال تک جاری رہی اور اس جنگ کے دوران داخلی سطح پر ہر اعتبار سے ایران میں دہشت گردانہ حوادث بھی رونما ہوئے۔ ایک طاقتور بم دھماکہ میں ایران کی پارلیمنٹ اڑا دی گئی جس میں ۷۲ سے زیادہ ایرانی رہنما شہید ہوگئے۔ دوسرے دھماکے میں ایران کے صدر اور وزیر اعظم محمد علی رجائی اور محمد جواد باہنر کی شہادت ہوگئی اور آئے دن مساجد کے ائمہ جمعہ و جماعات کو دہشت گردانہ طور پر قتل کیا جانے لگا۔ ایران کے موجودہ مذہبی رہنما آیت اللہ سید علی خامنہ ای اور آیت اللہ رفسنجانی بھی بم دھماکوں میں غیر معمولی طور پر مجروح ہوچکے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایران نے امریکی دھمکیوں یا دہشت گردانہ حرکتوں کے خلاف کبھی سر تسلیم خم نہیں کیا۔ ساری دنیا حیران ہے کہ آخر وہ کونسی چیز ہے جس نے ایران کو اتنا طاقتور بنادیا ہے کہ وہ دنیا کی اکلوتی بڑی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتا اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ اس انداز میں گفتگو کرتا ہے جیسے وہ خود بھی خفیہ طور پر بڑی طاقت بن گیا ہو۔

مادیت پرستی کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے میں ہمہ تن سرگرم اس دنیا کے تمام ماہرین سیاست کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایران کس کی طاقت کے بل بوتے پر امریکی دھمکیوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ آخر کار امریکی ماہرین نے دنیا والوں کو یہ باور کرانے کی کوشش شروع کردی کہ ایران ایٹمی طاقت کی پیداوار میں لگا ہوا ہے اور امریکہ اور اسرائیل کی طرح ایران بھی جوہری بم بنانا چاہتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بفرض محال اگر ایران ایسا چاہتا ہے تو اس میں بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کہاں سے ہوتی ہے۔ آخر وہ کون سا بین الاقوامی قانون ہے جس کی

روشنی میں امریکہ ، اسرائیل ، روس چین ۔ پاکستان وغیرہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایٹمی اسلحہ تیار کر سکتے ہیں لیکن ایران ایسا نہیں کر سکتا ۔ وہ کون سا ایسا جرم ہے جس کی سزا میں ایران کو اپنے دفاعی پروگرام کو مستحکم کرنے سے روکا جا رہا ہے؟ چلئے آپ عالمی گاؤں کے چودھری ہیں اور آپ یہ کہہ رہے ہیں ایران یہ اسلحہ نہ بنائے ٹھیک ہے ۔ آپ کی یہ بات سر آنکھوں پر ۔ ایران بار بار یہ اعلان کر رہا ہے کہ مہلک اسلحوں کی تیاری سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہے البتہ ہم صلح آمیز مقاصد کی تکمیل کے لئے ایٹمی توانائی پروگرام کی ترقی میں سرگرم ہیں اور ہم عالمی ایٹمی اداروں کی مکمل نگرانی کے سایہ میں یہ کام جاری رکھنا چاہتے ہیں جب بعض صلح پسند یورپی ممالک نے ایران کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس صلح آمیز ایٹمی توانائی پروگرام کو کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دے تو ایران نے ان کی یہ تجویز بھی قبول کر لی لیکن اسکے باوجود امریکہ یہ دباؤ ڈال رہا ہے کہ ایران ہمیشہ کے لئے اس پروگرام کو ترک کرنے کا اعلان کرے ورنہ ایران پر حملہ کر سکتا ہے ۔

جہاں تک ایرانی موقف کا سوال ہے یہ ایران کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے امریکی دھمکیوں کے سایہ میں زندگی بسر کرنا ایرانی عوام کی زندگی کا معمول بن گیا ہے ۔ اور جس عظیم طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے ایرانی عوام اور حکومت امریکہ سے مرعوب نہیں ہوتی وہ اللہ کی لازوال طاقت ہے ۔ رہبر انقلاب امام خمینی نے ایرانی عوام کو اسلام کے بنیادی اور ٹھوس عقیدہ کا پیرو بنادیا ہے انھوں نے محض تقریر کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ عملی طور پر پیش کئے گئے نمونوں کے ذریعہ یہی پیغام دیا کہ کائنات کا حاکم مطلق خداوند عالم ہے ۔ اللہ کی اس مملکت میں صرف الٰہی قوانین کی حاکمیت ہونی چاہئے ۔ موجودہ امریکی دھمکی سے نپٹنے کے لئے بھی انھوں نے ایک عملی نمونہ پیش کیا تھا ۔

ایران عراق جنگ کے دوران امریکی صدر جمی کارٹر کے صدراتی چناؤ کا وقت آگیا ۔ اس وقت ایران میں واقع امریکی سفارتخانہ پر ایرانی طلباء کا قبضہ تھا اور امریکی سفارت کاروں

کو جاسوسی کے جرم میں یرغمال بنا لیا گیا تھا۔ عالمی سیاسی ماہرین کا یہ اندازہ تھا کہ اگر ایران میں مقید امریکی یرغمالیوں کو آزادی مل جائے تو کارٹر چناؤ جیت جائیں گے۔ ایران نے اس سلسلے میں ہر سیاسی دباؤ کا منفی جواب دیا۔ آخر کار امریکی حکومت نے ایران کے خلاف فوجی کارروائی کا فیصلہ کرلیا۔ اور یہ طے پایا کہ حسینیہ جماران سے امام خمینی کا اغوا کرلیا جائے۔ چنانچہ امریکہ کے تین فوجی ہیلی کاپٹر اس مشن کو پورا کرنے کے لئے ایران کی طرف روانہ ہوگئے جب یہ ہیلی کاپٹر ایران کی سرحد میں داخل ہوئے تو ایرانی فوج نے امام خمینی کو امریکی منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے انھیں یہ مشورہ دیا کہ '' وقتی طور پر آپ کو محفوظ جگہ پر منتقل کردیا جائے۔'' امام خمینی نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ تم لوگ اپنا کام کرو۔ جس خدا پر میرا ایمان ہے وہ پتھر کی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ اپنے گھر کی حفاظت اس انداز سے کرتا ہے کہ اس دور کی سب سے بڑی طاقت یعنی ابرھا کے لشکر کو نیست و نابود کردیتا ہے۔ ایرانی فوجی حکام امام خمینیؒ کے اس جواب کو سن کر خاموش ہوگئے لیکن ہر آدمی بے چین ضرور رہا۔

جب یہ ہیلی کاپٹر طبس نامی ایران کے ریگستانی علاقہ میں داخل ہوئے تو ایک حیرت انگیز ریگستانی طوفان رونما ہوا اور یہ تینوں امریکی ہیلی کاپٹر آپس میں ٹکرا کر چکنا چور ہوگئے اور ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو لوگ خداوند عالم کی لازوال طاقت پر اٹوٹ عقیدہ کے حامل ہیں ان کی حفاظت کا اہتمام بھی الٰہی صفات کا حامل ہوتا ہے۔

موجودہ امریکی دھمکیوں کا انجام کیا ہوگا؟ کیا ایران اس اکلوتی عالمی طاقت کے فوجی حملات کو تحمل کرسکے گا اور کیا عالمی تنظیمیں اس دھمکی کے سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھائیں گی؟ یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن اس سوال پر غور وفکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عراق، افغانستان، مقبوضہ فلسطین اور دنیا کے دیگر ملکوں میں مسلم کشی اور اسلام دشمنی کو مختلف رنگ وروپ میں پوشیدہ رکھنے والا امریکہ اسلامی جمہوریہ ایران پر اپنے غیر قانونی

حملوں کو اسلام دشمن حملہ کہلانے سے کیسے روک سکتا ہے۔بعض ماہرین سیاست کا خیال ہے کہ درحقیقت ایران کے خلاف امریکی دھمکی کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ایران نے گذشتہ ۲۵ برسوں کی اسلامی حکومت کے ذریعہ عملی طور پر یہ ثابت کردیا ہے کہ اسلام ہر دور کے تمام انسانی تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے البتہ بنیادی شرط یہ ہے کہ اسلامی صلاحیتوں کو پرکھنے کے لئے اسلامی اقدار اور کسوٹی کا استعمال کیا جائے۔جہاں فقط باطل پر ظاہری فتح و کامیابی کو ہی کامیابی کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ ظاہری کمزوری کو ''فتح مبین'' اور اپنے خون سے سرزمین کربلا کی آبیاری کرنے والے کو شہید اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔مولانا محمد علی جوہر کی زبان میں یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

❁❁❁

عقائد شناسی:

علامہ محمد حسین طباطبائی

نبیؐ کی معرفت

مقصد کی جانب عام ہدایت

گندم کا ایک دانہ اگر مناسب حالات میں زمین میں بویا جائے تو وہ نشو ونما پانے لگتا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک نئی شکل اور ایک نئی حالت اختیار کرتا رہتا ہے۔ وہ اس راہ پر ایک نظم اور ترتیب کے ساتھ چلتے ہوئے ایک مکمل پودا بن جاتا ہے پھر اس میں گندم کی بالیاں نکل آتی ہیں اور اگر ان بالیوں میں سے ایک دانہ زمین پر گر جائے تو وہ وہی سفر دوبارہ شروع کر لیتا ہے اور اسے انجام تک پہنچاتا ہے اور اگر کسی پھل کی گٹھلی زمین میں دبا دی جائے تو وقت کی رفتار کے ساتھ اس میں تبدیلی آنے لگتی ہے اور چھلکے کو پھاڑ کر ایک سبز نوک باہر نکل آتی ہے تغیر وتبدل کا ایک مخصوص اور منظم راستہ طے کرتے ہوئے یہی سبز نوک بالآخر ایک سرسبز اور پھلدار درخت بن جاتی ہے۔

اگر کسی حیوان کا نطفہ ہو تو وہ انڈے یا ماں کے رحم میں ترقی کرنے لگتا ہے اور اس حیوان سے مخصوص ترقی کی راہ پر چلتے ہوئے حیوانوں کی اس خاص جنس کا ایک مکمل فرد بن جاتا ہے۔

ترقی کی یہ مخصوص اور منظم راہ دنیا میں موجود مخلوق کی ہر جنس میں پائی جاتی ہے جو اس جنس کی سرشت میں ہوتی ہے۔ گندم کے بیج سے اگنے والا سبز پودا کبھی بھی چنے کا پھل نہیں دیتا اور کبھی بھی بھیڑ کا بچہ بکری یا ہاتھی کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ ایک مادہ حیوان جو اپنے نر کی بدولت حاملہ ہوئی ہو کبھی بھی گندم کی بالیاں اور کیکر کا درخت نہیں جنتی۔ اگر ایک نومولود کے

اعضا یا فطری افعال میں کوئی خامی رہ جائے یا بھیڑ کا بچہ ایک آنکھ کے بغیر پیدا ہو یا ایک گندم کے پودے پر بالیاں نہ لگیں تو ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ اسکی وجہ کوئی وبا یا کوئی اور غیر فطری چیز ہے۔ چیزوں کی پیدائش اور نشوونما میں مسلسل نظم وضبط اور ہر جنس کے افراد کا ایک مخصوص قاعدے کے مطابق پیدا ہونا اور ترقی کرنا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

اس واضح نظریہ سے دو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

ا۔ مخلوق کی ہر نوع پیدائش کی ابتداء سے ہستی کے خاتمے تک جو مراحل طے کرتی ہے ان میں ایک تسلسل اور ربط پایا جاتا ہے۔ گویا وہ نوع اپنے ارتقاء کے ہر مرحلے پر پیچھے سے دھکیلی اور آگے کی جانب کھینچی جاتی ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا تسلسل اور ربط کی بنا پر ہر نوع کی پیدائش سے ہی اس کا آخری مرحلہ اس کا ہدف اور اس کی ہستی کی توجہ کا مرکز ہے مثلاً اخروٹ کا ایک دانہ ایک سبز نوک کی شکل میں زمین سے باہر نکلتا ہے۔ اس کی توجہ اسی لمحے سے ایک مکمل اخروٹ کے درخت پر مرکوز رہتی ہے اور جونہی ایک نطفہ ایک انڈے یا رحم میں ٹھہرتا ہے وہ ایک مکمل حیوان کی حالت کی جانب اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔

قرآن مجید جو ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور برقرار رکھنے والا فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ اس حرکت اور کشش کو، جو ترقی کی راہ میں چلنے والی ہر نوع میں موجود ہوتی ہے، الٰہی ہدایت سے ماخوذ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

"ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو سرشت دی اور پھر اسے سیدھا راستہ دکھایا۔"[1] (سورہ طہٰ) آیت ۵۰)

پھر فرماتا ہے۔

جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، درست کیا، اس کا اندازہ مقرر کیا اور پھر راہ بتائی۔"

(سورہ اعلیٰ۔ آیت ۲۔۳)

اور ان اقوال کا نتیجہ ان الفاظ میں بتاتا ہے۔

''ہر ایک کے لئے ایک ہدف ہے جس کی طرف وہ بڑھتا ہے۔''۳؎

(سورہ بقرہ۔آیت ۱۴۸)

''ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ہم نے انہیں حق اور اعلیٰ مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے۔''۴؎

(سورہ دخان۔آیت ۳۸۔۳۹)

خصوصی ہدایت:

ظاہر ہے کہ نوع انسان بھی اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہے اور جو ہدایت مخلوق کی تمام انواع پر حکومت کرتی ہے۔جس طرح ہر نوع اپنی مخصوص فطرت کے مطابق کمال کا راستہ طے کرتی ہے اور اس کے لیے ہدایت حاصل کرتی ہے اسی طرح انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس ہدایت کی مدد سے اپنے حقیقی کمال کی جانب گامزن ہو۔

اگرچہ انسان کی کئی خصوصیتیں حیوانات اور نباتات کی انواع کی خصوصیتوں کے ساتھ مشترک ہیں لیکن وہ ایک ایسی خصوصیت بھی رکھتا ہے جو اسے دوسروں سے ممیز کرتی ہے اور وہ خصوصیت ''عقل'' ہے۔عقل کی مدد سے ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ غور وفکر کرے اور ہر ممکن وسیلے کو اپنی بہتری کے لیے استعمال کرے۔آسمان کی لامحدود فضا میں اڑتا پھرے، سمندر کی گہرائیوں میں غوطے لگائے۔سطح زمین کی مختلف انواع جمادات، نباتات اور حیوانات پر قابو پاکر ان سے کام لے حتیٰ کہ اپنے ہم نوع اشخاص سے بھی جہاں تک ممکن ہو فائدہ اٹھائے۔

اپنی بنیادی سرشت کی بنا پر انسان حقیقی مسرت وشادمانی، مکمل آزادی حاصل کرنے میں محسوس کرتا ہے۔تاہم وہ ایک معاشرتی وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس کی بے شمار ضروریات ہیں جنہیں وہ اکیلا پوری نہیں کرسکتا اور چونکہ اسے اپنے ہم نوع اشخاص کے ساتھ

مل کر کام کرنا ہوتا ہے تو سماجی تعلقات استوار کرنے پڑتے ہیں جو اسی کی طرح اپنا فائدہ اور آزادی چاہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ کسی حد تک اپنی آزادی سے دستبردار ہو جائے۔ چونکہ وہ دوسروں سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی ان کے لیے مفید ثابت ہو۔ جس قدر وہ دوسروں کی مشقت سے بہرہ مند ہوتا ہے اسی قدر ان کے لیے بھی تکلیف اٹھائے یا مختصراً اس کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قبول کرے جس کی بنیاد باہمی تعاون پر ہو۔

یہ حقیقت نومولود اور دوسرے بچوں کے معاملے میں بالکل واضح ہے۔ نومولود بچے جب ابتداء میں کوئی چیز چاہتے ہیں تو مچلنے اور رونے دھونے کے علاوہ کوئی وسیلہ استعمال نہیں کرتے اور کوئی پابندی قبول نہیں کرتے لیکن رفتہ رفتہ جب انکا شعور پختہ ہو جاتا ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ زندگی کا کاروبار فقط سرکشی اور دھونس سے نہیں چل سکتا لہٰذا وہ آہستہ آہستہ ایک فرد معاشرہ کی حالت کے قریب ہو جاتے ہیں۔ بالآخر وہ عمر کے اس مرحلے پر پہنچتے ہیں جب وہ فرد معاشرہ بن جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی ذہنی قوت کامل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ماحول کے معاشرتی قواعد وضوابط کی پابندی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

جب انسان معاشرے کے افراد کے مابین باہمی تعاون کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے تو وہ معاشرے پر حاکم اس قانون کی ضرورت کا اعتراف بھی کرتا ہے جو ہر فرد کی ذمہ داریوں کی وضاحت کرتا ہے اور ہر خلاف ورزی کرنے والے کے لئے سزا مقرر کرتا ہے اور اپنے معاشرتی حیثیت کے مطابق خوش بختی سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ یہ وہی عالمگیر قانون ہے جس کی تلاش انسان کو اس کی پیدائش کے دن سے اب تک رہی ہے اور جس کا شوق اس کی اولین خواہش رہی ہے۔ اگر کسی ایسی چیز کا حصول ناممکن ہوتا اور یہ انسانیت کے مقدر کی لوح پر نہ لکھی ہوتی تو انسان اس کی ہمیشہ خواہش نہ کرتا۔ [۱]

اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

ہے:

''ہم نے ان کے درمیان روزی دنیاوی زندگی میں بانٹ دی ہے اور ایک کے درجے دوسرے پر بلند کیے ہیں تاکہ ان میں سے کچھ دوسروں سے خدمت لیں۔ ؎(سورہ زخرف۔آیت ۳۲)

انسان کی خودغرضی اور اسکی چیزوں کو اپنانے کی خواہش کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''بے شک انسان بڑا لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف چھو بھی گئی تو گھبرا گیا اور جب اسے ذرا فراخی حاصل ہوئی تو بخیل بن بیٹھا۔''؎(سورہ معارج آیات ۱۹ تا ۲۱)

عقل اور قانون

اگر ہم مناسب غور وفکر سے کام لیں تو پتہ چلے گا کہ انسان ہمیشہ ایسے قانون کا آرزومند رہا ہے جو اسے دنیا میں خوش بختی سے ہمکنار کرے۔ اپنی خداداد فطرت کے ذریعے لوگوں نے انفرادی طور پر اور گروہوں میں ایسے قانون کی ضرورت تسلیم کی ہے جو انہیں کسی امتیاز اور استثناء کے بغیر خوشی مہیا کرے اور بنی نوع انسان میں کمال کا ایک عام معیار قائم کرے۔ ظاہر ہے کہ اب تک انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں اس قسم کا کوئی قانون وجود میں نہیں آیا جسے انسانی عقل نے ایجاد کیا ہو۔ اگر قانون خلقت نے اس قسم کا انسانی قانون وجود میں لانے کی ذمہ داری انسانی عقل کے کندھوں پر ڈال دی ہوتی تو طول تاریخ میں ایسا قانون مرتب ہوگیا ہوتا۔ اس صورت میں ہر وہ شخص جو قوت عقل رکھتا ہے اس انسانی قانون کو مفصل طور پر اسی طرح سمجھ لیتا جس طرح ہر شخص معاشرہ میں اس قسم کے قوانین کی ضرورت کو سمجھتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اگر یہ انسانی عقل کی ذمہ داری ہوتی کہ ایک ایسا مکمل مشترک قانون وجود میں لائے جو لازمی طور پر انسانی معاشرے کو خوش بختی سے ہمکنار کرے اور خود دنیا کی پیدائش کے دوران انسان کی رہنمائی اس مکمل قانون کی جانب ہو تو پھر ہر انسان اس

قانون کو اپنی عقل کے ذریعے اسی طرح سمجھ لیتا جس طرح وہ اپنی زندگی کے شب روز میں یہ جانتا ہے کہ کونسی چیز اس کے لئے مفید اور کونسی مضر ہے۔ تاہم اس وقت تک اس قسم کے قانون کی موجودگی کے کوئی اثار نہیں، جو قوانین خود بخود وجود میں آگئے ہیں یا جنہیں ایک حاکم یا کچھ افراد یا قوموں نے ترتیب دیا ہے اور مختلف معاشروں میں رائج ہوگئے ہیں وہ بعض لوگوں کے نزدیک مسلم اور بعض کے نزدیک غیر مسلم ہیں۔ بعض لوگوں کو ان کا علم ہے اور بعض دوسرے لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تمام لوگ جو بنیادی ساخت کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں، جن کو اللہ نے عقل سے نوازا ہے۔ مشترکہ طور پر کسی ایسے قانون کی تفاصیل کا مشترکہ علم رکھتے ہوں جو عالم انسانیت کو خوش بختی سے ہمکنار کردے۔

پر اسرار عقل اور شعور جسے وحی کہا جاتا ہے،

مذکورہ عبارت سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ جو قوانین انسانی معاشرے کی خوش بختی کی ضمانت دے سکتے ہیں عقل انکا ادراک نہیں کرسکتی اور چونکہ عام ہدایت کے نظریے کے تحت بنی نوع انسان میں لازمی طور پر ایک اور قوت ادراک ہونی چاہئے جو انسان کو زندگی کی حقیقی ذمہ داریاں سمجھا سکے اور یہ علم ہر ایک کو مہیا کرسکے۔ یہ شعور اور قوت ادراک جو عقل اور حس سے جداگانہ چیز ہے ''شعور وحی'' کہلاتی ہے۔

بلاشبہ بنی نوع انسان میں اس قسم کی قوت کی موجودگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ لازمی طور پر تمام افراد میں ظاہر ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ قوت تولید تمام انسانوں میں رکھی گئی ہے لیکن ازدواجی زندگی کی مسرت کا احساس اور اس مسرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے تیار ہونا انہیں لوگوں کے لئے ہے جو سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔ اسی طرح جو لوگ ''شعور وحی'' نہیں رکھتے ان کے لئے یہ ادراک کی معماتی اور نامعلوم شکل ہے ایسے ہی جیسے کہ نابالغ کے لئے جنسی ملاپ کی مسرت ایک پر اسرار اور نامعلوم کیفیت ہے۔

اللہ تعالی اپنے کلام میں شریعت وحی اور انسانی عقل کی اس تک رسائی نہ ہونے کے

بارے میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

"اے رسولؐ! ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ اور عیسٰیؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی اور ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے پہلے تم سے بیان کر دیا ہے اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰؑ سے بہت سی باتیں بھی کیں۔ اور (ہم نے نیک لوگوں کو بہشت کی خوشخبری دینے والے اور بدوں کو عذاب سے ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔" ؎ (سورہ نساء۔ آیات۔ ۱۶۳ تا ۱۶۵)

پیغمبر اور عصمت پیغمبر

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی آمد سے وحی کے مذکورہ بالا نظریے کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ کے پیغمبر وہ عظیم لوگ تھے جنہوں نے وحی، اور نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے دعوے کے قطعی ثبوت پیش کیے۔ انہوں نے لوگوں میں اللہ کے دین کے بنیادی اصولوں کی تبلیغ کی (وہی قانون جو خوش بختی کی ضمانت فراہم کرتا ہے) اور اسے لوگوں کی دسترس میں پہنچا دیا۔

چونکہ تاریخ کے عام ادوار میں نبوت اور وحی کے حامل افراد کی تعداد محدود رہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کی تکمیل اور دین کی تبلیغ کی ذمہ داری اپنے پیغمبروں کے سپرد کی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر کے لئے معصوم ہونا لازمی ہے اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ اللہ سے وحی حاصل کرنے، اس کی حفاظت کرنے اور اسکے لوگوں تک پہنچنے کو ممکن بنانے کے لئے پیغمبر ہر قسم کی خطا سے پاک ہو۔ وہ ہرگز گناہ نہ کرے۔ وحی کا حصول، اس کی حفاظت اور تبلیغ ہدایت تکوینی کے تین رکن ہیں اور تکوین میں خطا کے کوئی معنی نہیں۔

علاوہ ازیں اپنی تبلیغ ودعوت کے بارے میں غلطی اورخلاف ورزی ایک پیغمبر کے لئے محال ہے کیونکہ یہ فعل بجائے خود اصل دعوی کے خلاف ہے۔ اگر پیغمبر ایسا کرے تو لوگوں کا دعوت کی درستی سے اعتماد اٹھ جائے گا اورنتیجہ کے طورپر دعوت کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں پیغمبروں کی عصمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں ارشادفرماتا ہے:

"ہم نے انہیں منتخب کیا اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کی۔"۸(سورہ انعام۔آیت ۸۸)

اورپھرفرماتا ہے۔

"وہی غیب کا جاننے والا ہے اوروہ اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہرنہیں کرتا بجز ہر اس پیغمبر کے جسے اس نے چن لیا ہو اور پھر وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرمادیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے احکام واقعی پہنچادے۔"۹(سورہ جن۔آیات۔ ۲۶ تا ۲۸)

پیغمبر اورآسمانی دین

جوکچھ اللہ کے پیغمبروں نے وحی کے ذریعے حاصل کیا اوراسے اللہ کے پیغام کے طورپر لوگوں تک پہنچایا وہ دین الٰہی تھا یعنی وہ زندگی کے ان طورطریقوں اور انسانی ذمہ داریوں پر مشتمل تھا جو انسان کی حقیقی خوش بختی کے ضامن ہیں۔

آسمانی دین بطورکلی"اعتقاد" اور"عمل" سے مرکب ہوتا ہے۔اس کا اعتقادی حصہ ایسے بنیادی اصولوں اور اشیاء کی حقیقت کے متعلق نظریات پر مشتمل ہوتا ہے جن پر انسان کو اپنی زندگی کی بنیاد رکھنی چاہیے۔ یہ اصول تین ہیں یعنی توحید نبوت اور قیامت۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں خلل پیدا ہوجائے تو دین کی پیروی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آسمانی مذہب کا ایک حصہ اخلاقی اورعملی احکامات پر مشتمل ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کی اللہ اور انسانی معاشرے کے بارے میں کیا ذمہ داریاں ہیں۔یہی وجہ ہے

کہ آسمانی مذاہب میں انسان پر جو فروعی ذمہ داریاں عاید کی گئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ یعنی اخلاق اور اعمال اور ان میں سے بھی ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

اخلاق اور اعمال کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے مثلاً اخلاق میں صفت ایمان، اخلاص، تسلیم ورضا اور خشوع اور اعمال میں نماز روزہ اور قربانی۔ ان اعمال کو بالخصوص عبادات کا نام دیا گیا ہے اور خضوع و بندگی انسان کو بارگاہ خداوندی میں مقبول بناتے ہیں۔

اخلاق اور نیک اعمال کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسانی معاشرے سے ہے۔ مثلاً انسان دوستی، خیر خواہی، عدالت اور سخاوت کی صفات اور سماجی ذمہ داریاں اور لین دین وغیرہ۔ اس قسم کے اعمال کو بالخصوص معاملات کا نام دیا جاتا ہے۔

ایک اور توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان بتدریج کمال کی طرف گامزن ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرہ کامل تر ہو رہا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایسی ہی ترقی، آسمانی شریعتوں میں بھی ظاہر ہو۔ (قرآن مجید اس تدریجی ترقی کی تائید کرتا ہے اور یہ ترقی عقل کی بدولت سمجھ میں آتی ہے۔) اس کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ہر بعد میں آنے والی شریعت سابقہ شریعت سے کامل تر ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"اے رسولؐ ہم نے تم پر برحق کتاب نازل کی جو اس سے پہلے موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے۔ یعنی اس پر تسلط اور برتری رکھتی ہے۔" (سورہ مائدہ۔ آیت ۴۸)

بلاشبہ جیسا کہ سائنسی نظریات تصدیق کرتے ہیں اور قرآن مجید بھی بالصراحت بیان کرتا ہے، اس دنیا میں معاشرے کی زندگی ابدی نہیں ہے اور بنی نوع انسان کی ترقی بھی لامحدود نہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایک مرحلے پر اعتقاد اور عمل کے سلسلے میں انسان کی تمام تر ذمہ داریاں ختم ہو جائیں اور اسی بنا پر نبوت اور شریعت بھی جب اعتقاد کے کمال اور عملی احکام کی وسعت کے لحاظ سے آخری مرحلے پر پہنچ جائیں گی تو ختم ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ

قرآن مجید یہ واضح کرنے کے لئے کہ اسلام (حضرت محمدؐ کا لایا ہوا) آخری اور تمام الہامی ادیان سے مکمل ترین دین ہے اپنا تعارف ایک ایسی مقدس کتاب کے طور پر کراتا ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتی اور رسول اکرمؐ کو خاتم الانبیاء کہتا ہے اور دین اسلام کو تمام مذہبی فرائض پر مشتمل گردانتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ:

''یہ قرآن یقیناً ایک عالی قدر کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اسکے آگے پھٹک سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے ؂۱۲۔'' سورہ حم سجدہ۔ آیات ۴۱۔۴۲)

پھر فرماتا ہے:

''اے لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی ختم کرنے والے ہیں ؂۱۳ (سورہ احزاب۔ آیت ۴۰)

مزید فرماتا ہے:

''ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے ؂۱۴ (سورہ نحل۔ آیت ۸۹)

پیغمبر اور ''وحی و نبوت'' کا ثبوت

دور حاضر کے بہت سے دانشمندوں نے وحی اور نبوت کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ اور نبوت اور ان سے متعلقہ مسائل کی توجیہ نفسیاتی اور معاشرتی اصولوں کے مطابق کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کے پیغمبر پاک طینت، بلند ہمت اور انسان دوست اشخاص تھے جنہوں نے انسان کی مادی اور روحانی ترقی اور فاسد معاشروں کی اصلاح کے لئے قوانین اور ضوابط مرتب کیے اور لوگوں کو انہیں قبول کرنے کی دعوت دی۔ چونکہ اس زمانے کے لوگ عقل کی منطق قبول نہیں کرتے تھے لہٰذا ان کی اطاعت حاصل کرنے کے لیے پیغمبروں نے اپنے آپ کو اور اپنے نظریات کو عالم بالاتر سے منسوب کیا اور اپنی پاک روح کو ''روح القدس'' اور اپنے خیالات کو ''وحی'' اور نبوت اور اپنی تعلیمات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ذمہ داریوں کو

''شریعت آسمانی'' اور ان پر مشتمل بیانات کو آسمانی کتاب'' کے نام دیے۔

جو شخص آسمانی کتابوں اور بالخصوص قرآن مجید اور پیغمبروں کی شریعت کا بغور اور بے لاگ مطالعہ کرے اسے اس بارے میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ نظریہ درست نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سیاسی لوگ نہیں تھے بلکہ وہ اللہ کے راستگو اور پاکباز بندے تھے۔ انہوں نے جس چیز کا ادراک کیا وہ بے کم وکاست بیان کردی اور جو کچھ کہا اس کے مطابق عمل کیا۔ انہوں نے جس چیز کا دعویٰ کیا وہ ایک پر اسرار شعور تھا جو انہیں غیبی مدد کے ذریعے عنایت کیا گیا۔ اس ذریعے سے انہوں نے لوگوں کی اعتقادی اور عملی ذمہ داریوں کا علم بارگاہ الٰہی سے حاصل کیا اور لوگوں میں اس کی تبلیغ کی۔

پس یہ امر واضح ہے کہ نبوت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے حجت اور دلیل ضروری ہے اور فقط وہ شریعت جو پیغمبر لایا ہے پیغمبری کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں جو شخص پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنی شریعت کے درست ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اور دعویٰ بھی کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وحی اور نبوت کی بدولت اس کا عالم بالا سے رابطہ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کو اپنی شریعت کی دعوت دینے پر مامور کیا ہے اور یہ دعویٰ بجائے خود دلیل کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (جیسا کہ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے) عام لوگ جو سادہ ذہن رکھتے تھے اللہ کے پیغمبروں سے ان کے نبوت کے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر ہمیشہ معجزے طلب کرتے تھے۔

اس سادہ اور فصیح منطق کا مطلب یہ ہے کہ جس وحی اور نبوت کا اللہ کا پیغمبر دعویٰ کرتا ہے وہ دوسرے لوگوں میں، جو اسی کی مانند انسان ہیں، نہیں پائی جاتی لہٰذا لازمی طور پر یہ ایک غیبی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ معجزاتی طور پر اپنے پیغمبروں کو عنایت کرتا ہے اور اسکے ذریعے وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں لہٰذا اس صورت میں پیغمبر کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ وہ ایک اور معجزہ دکھائے تاکہ لوگ اس معجزے کے وسیلے

سے پیغمبر (مدعی نبوت) کے نبوت کے دعوے پر یقین کرلیں۔ قرآن مجید نے اس منطق کی تائید کی ہے اور کئی ایک پیغمبر نقل کیے ہیں جس نے اپنی بعثت کی ابتداء میں لوگوں کی درخواست پر معجزے دکھائے۔

بلاشبہ دور حاضر کے بہت سے محققین اور سائنسدانوں نے معجزے کے وجود سے انکار کیا ہے لیکن ان کی آراء قابل توجہ دلائل پر مبنی نہیں ہیں یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ مختلف حوادث کے لئے جو اسباب اب تک تجربے اور تحقیق سے معلوم ہوئے ہیں وہ دائمی ہیں اور اسباب وعلل کے بغیر کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا۔ جو معجزے اللہ کے پیغمبروں سے منسوب کیے گئے ہیں وہ نہ تو محال ہیں اور نہ ہی خلاف عقل ہیں۔ (مثلاً جیسے یہ دعویٰ کیا جائے کہ تین کا عدد جفت ہے) بلکہ غیر معمولی (خرق عادت) کام ہیں اور ایک ایسی چیز ہے جو اہل ریاضی میں اکثر دیکھنے اور سننے میں آئی ہے۔

اللہ کے پیغمبروں کی تعداد

تاریخ کی روایات کے مطابق بہت سے پیغمبر آئے ہیں اور قرآن مجید بھی ان کی تعداد کی کثرت کی تائید کرتا ہے۔ اس نے ان میں سے کئی ایک کا ذکر ان کے نام اور نشانیاں بیان کر کے کیا ہے لیکن ان کی صحیح تعداد نہیں بتائی۔ قطعی احادیث سے بھی ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔ بجز اس مشہور روایت کے جس کے راوی ابوذر غفاری ہیں اور جس کے مطابق رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

اولوالعزم صاحبان شریعت پیغمبر

جیسا کہ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے اللہ کے تمام پیغمبر شریعت نہیں لائے بلکہ ان میں سے فقط پانچ بزرگوار یعنی حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور محمدؐ اولوالعزم اور صاحبان شریعت نبی ہیں اور باقی پیغمبران اولوالعزم پیغمبروں کی شریعت کے تابع رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے۔

"اے رسولؐ اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس پر چلنے کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور اسی کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے اور اسی کا ابراہیمؑ اور موسیؑ اور عیسیٰؑ کو بھی حکم دیا تھا۔" (سورہ شوریٰ۔ آیت ۱۳)

"جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے اور نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیؑ اور عیسیٰ مریمؑ سے پختہ عہد لیا" (سورہ احزاب۔ آیت ۷)

حضرت محمدؐ کی نبوت

اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ ہیں جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہیں اور مسلمان ان پر ایمان لائے ہیں۔ آنحضرتؐ ہجری کیلنڈر کی ابتداء سے ۵۳ سال پیشتر حجاز کے شہر مکہ میں قریش کے خاندان بنی ہاشم میں پیدا ہوئے جسے عربوں کے سب خاندانوں میں سے اشرف مانا جاتا تھا۔

حضرت محمدؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ آپ بچپن ہی میں اپنے والدین کے سائے سے محروم ہوگئے اور آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے سنبھالی لیکن وہ بھی جلد ہی وفات پاگئے۔ پھر آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ نے آپ کی سرپرستی اختیار کی اور آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ رسول اکرمؐ اپنے چچا کے گھر میں پلے بڑھے۔ وہ سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کے ساتھ قافلوں میں شامل ہوکر سفر پر جایا کرتے تھے۔

رسول اکرمؐ نے کسی مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور لکھنا پڑھنا بھی نہیں سیکھا تھا تاہم پختہ عمر تک پہنچنے پر آپ اپنی ذہانت، تواضع اور دیانتداری کی وجہ سے مشہور ہوگئے۔ آپ کی عقلمندی اور دیانتداری کی بنا پر قبیلہ قریش کی ایک ثروت مند خاتون حضرت خدیجہ نے آپ کو اپنی جائیداد کا نگراں مقرر کیا اور اپنے تجارتی معاملات کی دیکھ بھال آپ کے سپرد کردی۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ ان خاتون کا مال تجارت لے کر دمشق گئے اور اپنی فراست کی بدولت کافی نفع کمایا۔ کچھ عرصے بعد ان خاتون نے آپ سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔

شادی کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنی بیوی کی جائیداد کا انتظام سنبھال لیا اور آپ کی ذہانت اور دیانت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

حجاز کے عربوں میں بت پرستی کا رواج تھا لیکن رسول اکرمؐ نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔ اس کے برعکس آپ اکثر خلوت نشینی اختیار کرتے اور اس دوران اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے اور اس سے راز و نیاز کیا کرتے۔

مکہ کے قریب تہامہ کے علاقہ میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس میں غار حرا واقع ہے۔ رسول اکرمؐ اکثر اس غار میں خلوت نشینی اختیار فرماتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کی عمر چالیس برس تھی اور آپ اس غار میں تشریف فرما تھے۔ اللہ نے آپ کو نبوت پر مبعوث فرمایا اور نئے دین کی تبلیغ پر مامور کیا۔ اس وقت قرآن مجید کا پہلا سورہ (علق) آپ پر نازل ہوا۔ آپ اسی دن گھر واپس تشریف لے آئے۔ راستے میں آپ کی ملاقات اپنے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی۔ حضرت علیؑ سارا ماجرا سننے کے بعد اسی وقت آپ پر ایمان لے آئے۔ جب آنحضرتؐ گھر میں داخل ہوئے اور اپنی بیوی کو سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی ایمان لے آئیں۔

جب رسول اکرمؐ نے پہلی دفعہ لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے بڑے پریشان کن ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ مجبوراً آپ کو کچھ عرصے کے لئے درپردہ تبلیغ پر اکتفا کرنا پڑا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت حق دیں، تاہم یہ دعوت بھی بے نتیجہ رہی اور حضرت علیؑ کے علاوہ (جو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے) کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تاہم جو شواہد اہلبیت رسولؐ سے ہم تک پہنچے ہیں اور حضرت ابو طالب کے

جو اشعار دستیاب ہیں ان کے مطابق شیعیت کا اعتقاد ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن چونکہ آپ رسول اکرمؐ کے واحد سرپرست تھے اور قریش پر اپنا ظاہری تسلط قائم رکھنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے اس امر کو صیغۂ راز میں رکھا۔ بعد از اں اللہ کے حکم کے مطابق رسول اکرمؐ نے اسلام کی اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے جواب میں اہل مکہ نے بڑے تلخ ردعمل کا اظہار کیا اور آنحضرتؐ کو اور آپ کے پیروؤں کو بے حد ایذائیں دیں۔ قریش کی زیادتیاں اس حد تک بڑھ گئیں کہ کچھ مسلمانوں نے اپنا گھر بار اور مال و اسباب چھوڑ کر حبش میں پناہ لی۔ رسول اکرمؐ، آپ کے چچا حضرت ابو طالب اور بنی ہاشم کے دوسرے افراد تین سال تک مکہ کے قریب ایک وادی میں، جسے شعب ابو طالب کہا جاتا ہے، محصور رہے۔ لوگوں نے ان سے ہر قسم کے روابط توڑ لیے تھے اور وہ اس وادی سے باہر آنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتے تھے۔

گو ابتداء میں مکہ کے بت پرستوں نے رسول اکرمؐ کو بہت پریشان کیا۔ جسمانی ایذا دی، توہین کی اور ان کا مذاق اڑایا لیکن بعض اوقات وہ آپ سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ بھی کرتے تھے تا کہ آپ کو اپنے مشن سے باز رکھ سکیں، تاہم ان کے وعدوں اور دھمکیوں کا اثر یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے دل میں تبلیغ اسلام کے لیے زیادہ پختگی آ گئی۔ ایک دفعہ جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور دولت اور حکومت کی پیش کش کی تو آپ نے استعارے کی زبان استعمال کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تب بھی میں اللہ کا حکم بجا لانے اور دین حق کی تبلیغ کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

نبوت کے دسویں سال جب رسول اکرمؐ اور باقی بنی ہاشم شعب ابو طالب سے واپس مکہ آ گئے، آپ کے چچا حضرت ابو طالب جو آپ کے واحد سرپرست تھے، انتقال فرما گئے اور ان ہی دنوں میں آپ کی وفا شعار بیوی خدیجہ بھی فوت ہو گئیں۔ اب نہ تو آپ کی جان محفوظ تھی اور نہ ہی آپ کو کوئی جائے پناہ میسر تھی۔ بالآخر مکہ کے بت پرستوں نے آپ کو شہید

کر دینے کا ایک خفیہ منصوبہ بنایا۔ ایک رات انہوں نے آپ کے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ جونہی رات ختم ہو گھر میں داخل ہو جائیں اور بستر پر ہی آپ کا کام تمام کر دیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمن کے منصوبے سے آگاہ کر دیا اور حکم دیا کہ آپ یثرب چلے جائیں۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا اور رات کو ہی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دشمنوں کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے گھر سے روانہ ہو گئے۔ مکہ سے نکل کر آپ نے ایک غار میں پناہ لی۔ تین دن کے بعد جبکہ دشمن آپ کو تلاش کرتے کرتے تھک گئے اور مایوس ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے، آپ غار سے نکلے اور یثرب کی راہ لی۔

یثرب کے لوگوں نے جن کے روسا پہلے ہی اسلام قبول کر کے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور آپ کو اپنی جانوں اور مال کا مالک ومختار بنا دیا۔

یثرب میں آنحضرتؐ نے پہلی دفعہ ایک چھوٹا سا اسلامی معاشرہ قائم کیا اور شہر اور گردونواح میں رہنے والے یہودیوں اور علاقے کے کچھ طاقتور عرب قبیلوں سے معاہدے کیے۔ آپ نے پورے جوش اور جذبے کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کی اور یثرب "مدینۃ الرسول (رسولؐ کا شہر) کے نام سے مشہور ہو گیا۔

رفتہ رفتہ اسلام پھیلنے لگا۔ مسلمان جو مکہ میں کفار کے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے یکے بعد دیگرے اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کرنے لگے اور آنحضرتؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ گروہ "مہاجرین" کہلایا جبکہ اہل مدینہ جنہوں نے رسول اکرمؐ اور مہاجرین کی مدد کی تھی "انصار" کے نام سے مشہور ہوئے۔

اسلام بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا لیکن مشرکین قریش اور حجاز کے یہودی قبائل کا مسلمانوں پر ظلم وستم جاری تھا۔ وہ لوگ ان منافقوں کے ساتھ ملکر جو مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے اور کوئی مخصوص رتبہ نہیں رکھتے تھے ہر روز مسلمانوں پر ایک مصیبت وارد کرتے تھے

حتیٰ کہ نوبت جنگ تک آ پہنچی۔

مسلمانوں کو عرب مشرکین اور یہودیوں کے خلاف کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سے زیادہ تر لڑائیوں میں فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ چھوٹی بڑی ملا کر اسی سے زیادہ لڑائیاں ہوئیں۔ تمام بڑی لڑائیوں مثلاً بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین میں آنحضرتؐ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ علاوہ ازیں تمام بڑی لڑائیوں اور کئی چھوٹی لڑائیوں میں فتح حضرت علیؓ کی کوششوں سے نصیب ہوئی۔ وہ واحد شخص تھے جنہوں نے کسی لڑائی سے منہ نہیں موڑا۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد دس سال تک مختلف لڑائیوں میں دو سو سے کم مسلمان اور ایک ہزار سے کم کفار قتل ہوئے۔

رسول اکرمؐ کی سرگرمیوں اور مہاجرین و انصار کی بے لوث کوششوں کی بدولت اسلام سارے جزیرہ عرب میں پھیل گیا۔ علاوہ ازیں فارس، روم مصر اور حبش کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے خطوط بھی لکھے گئے۔ اس دوران میں آنحضرتؐ نے فقیرانہ زندگی بسر کی جس پر آپ کو ناز تھا۔ ۱۸؎

آپ نے اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ آپ نے وقت کے تین حصے کر رکھے تھے جن میں سے ایک حصہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں گزارتے تھے۔ ایک حصہ اپنی ذات، اہل و عیال اور اپنے گھریلو معاملات کے لیے اور ایک حصہ عوام کے لئے وقف تھا۔ وقت کے اس تیسرے حصے میں آپ اسلام کی تبلیغ فرماتے اور اسلامی علوم کی تعلیم دیتے۔ اسلامی معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرتے اور اس کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں کی حاجتیں پوری کرتے اور داخلی اور خارجی تعلقات مضبوط کرتے اور ایسے ہی دوسرے کام انجام دیتے۔

مدینہ میں دس سال قیام فرمانے کے بعد رسول اکرمؐ کی طبیعت علیل ہوگئی اور چند دن بیمار رہنے کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں ان کے مطابق آپ

نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں غلاموں اور عورتوں سے نیک سلوک کرنے کی سفارش بھی فرمائی تھی۔

رسول اکرمؐ اور قرآن

دوسرے پیغمبروں کی طرح پیغمبر اسلامؐ سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ آپ معجزہ دکھائیں اور جیسا کہ قرآن مجید میں بالصراحت بتایا گیا ہے آنحضرتؐ نے بھی پیغمبروں کی معجزہ دکھانے کی صلاحیت کی تصدیق فرمائی۔ خود آپ کے کئی معجزے بیان کیے گئے ہیں جن میں سے کئی ایک کے بارے میں روایات قطعی اور قابل اعتماد ہیں۔ تاہم آپ کا زندۂ جاوید معجزہ اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ الہامی کتاب چھ ہزار اور چند سو آیات پر مشتمل ہے اور اسے ۱۱۴ چھوٹے اور بڑے سوروں میں تقسیم کیا گیا۔ قرآن مجید کی آیات کا نزول وقتاً فوقتاً آنحضرت کی رسالت کے ۲۳ برسوں میں ہوتا رہا۔ مختلف حالات میں یہ آیات ایک حصے سے لے کر پورے اور مکمل سورہ کی شکل میں نازل ہوئیں دن اور رات میں سفر اور حضر میں، جنگ اور صلح میں اور مشکل ایام اور آرام کے لمحات میں نازل ہوتی رہیں۔

قرآن مجید کئی ایک آیات میں واضح الفاظ میں اپنا تعارف ایک معجزے کے طور پر کراتا ہے۔ اس نے اس زمانے کے عربوں کو دعوت دی کہ اس کے مقابلے پر اسی جیسا فصیح و بلیغ اور سچا کلام پیش کریں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس زمانے میں عرب فصاحت و بلاغت کے معاملے میں اوج کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور زبان قرآن مجید کا کہنا کہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ انسانی کلام ہے اور خود رسولؐ کے دماغ کی پیداوار ہے یا انہوں نے کسی اور سے سیکھا ہے تو عربوں کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر اسکا مثل ۱۹ یا اس جیسے دس سورے ۲۰ یا کم از کم ایک سورہ ۲۱ تیار کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہونا چاہیے لیکن اس وقت کے مشہور فصحاء نے جواب میں کہا کہ قرآن مجید جادو ہے لہٰذا اس کا مثل تیار کرنا ان کے لئے ممکن نہیں۔ ۲۲

قرآن مجید لوگوں کو فقط اپنی فصاحت و بلاغت اور خوش الحانی کا مقابلہ کرنے کے لئے

عی نہیں کہتا بلکہ تمام انسانوں اور جنوں ؑ کو ملا کر اپنے معانی کا مقابلہ کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ؑ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مفصل ضابطۂ حیات میں انسان کے بے شمار اعتقادات، اخلاق اور اعمال کو سمو دیا اور ان کی تمام خصوصیات اور فضیلتوں کو مدنظر رکھا ہے اور انہیں 'حق' قرار دیتے ہوئے اس کا نام دین حق رکھا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد لوگوں کی اکثریت یا کسی ایک طاقتور حاکم کی خواہشات پر نہیں بلکہ سچائی اور بنی نوع انسان کی حقیقی بہبود پر رکھی گئی ہے۔

اس وسیع پروگرام کی بنیاد عظیم ترین سچائی پر رکھی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان ہے اور تمام اصول اور معارف اسی توحید سے اخذ کیے گئے ہیں اور پھر ان اصول ومعارف سے بہترین انسانی اخلاق اخذ کر کے انہیں اس ضابطے کا جزو بنا دیا گیا ہے اور اسکے بعد انسانی اعمال اور انفرادی اور اجتماعی حالات کی بے شمار تفاصیل کی تحقیق کر کے ان سے مربوط ذمہ داریاں ترتیب دی گئی ہیں جن کا سرچشمہ خدائے واحد کی پرستش ہے۔ دین اسلام میں اصول اور فروع کے مابین ایسا تعلق اور ربط ہے کہ ہر فرعی حکم خواہ اس کا تعلق کسی موضوع سے ہو، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو کلمۂ توحید کی جانب لوٹتا ہے اور کلمۂ توحید ان فرعی احکام کی بنیاد قرار پاتا ہے۔ بلاشبہ اس وحدت اور ربط وضبط کے حامل اتنے وسیع مذہب کے مطالب کو قطعی طور پر منظم کرنا تو کجا ان کی ابتدائی فہرست کی تیاری بھی عام حالات میں دنیا کے کسی ایک بہترین قانون داں کی قوت سے باہر ہے۔

لیکن یہاں ہم ایک ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہیں جس کی جان اور مال کو ایک مختصر وقت میں ہزاروں خطرات لاحق تھے۔ اسے کئی خونین جنگیں لڑنی پڑیں اور اندرونی اور بیرونی مزاحمت سے نمٹنا پڑا اور ساری دنیا کے سامنے وہ تن تنہا تھا۔ علاوہ ازیں رسول اکرمؐ نے پڑھنا لکھنا بھی نہیں سیکھا تھا۔ اس سے پیشتر کہ انہیں نبوت پر مبعوث کیا گیا اور انہوں نے ایک جاہل

اور تہذیب سے عاری قوم کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا وہ اپنی عمر کا دو تہائی حصہ گذار چکے تھے۔ انہوں نے ایک بے آب وگیاہ اور تپتی ہواؤں کے خطے میں ان لوگوں کے درمیان زندگی گزاری جو تہذیب کے پست ترین درجے پر تھے اور ہمسایہ سیاسی طاقتوں کے زیر تسلط تھے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید لوگوں کو ایک اور طریقے سے بھی چیلنج دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ کتاب بالکل مختلف حالات میں اور تکلیف اور آرام، جنگ اور امن اور قوت اور کمزوری کے ادوار میں تیئیس سال کے عرصے میں نازل ہوئی ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہونے کی بجائے انسانی دماغ کی پیداوار ہوتا تو اس میں بیشمار تناقص اور تضادات پائے جاتے اور جیسا کہ انسان کے ارتقا کا تقاضا ہے اس کا آخری حصہ لازمی طور پر اس کے ابتدائی حصے سے بہتر ہوتا۔ اسکے برعکس اس کتاب کی مکی اور مدنی آیات ایک جیسی ہیں اور اس کی ابتدا اسکے خاتمے سے مختلف نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے تمام حصے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور شروع سے آخر تک اس کا حیرت انگیز اسلوب بیان ایک جیسا ہے۔

ڈاکٹر عبدالحق انصاری

امیر جماعت اسلامی ہند

اتحاد ملت۔ مسائل اور ان کا حل

یآیہا الّذین آمنوا اتّقوا اللہ حق تقاتہ ولاتموتنّ الاّ وانتم مسلمون۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا وّلاتفرّقوا۔ واذکرو نعمة اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالّف بین قلوبکم فا صبحتم بنعمتہ اخوانا، وکنتم علیٰ شفا حفرة من النّار فانقذکم منہا، کذالک یبیّن اللہ لکم آیاتہ لعلّکم تہتدون۔(سورہ آل عمران:۱۰۳۔۱۰۲)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔تم لوگ آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تم کو اس (میں گرنے) سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے۔شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔“

یہ دراصل اتحاد کی دعوت ہے جو ہمارے رب نے ہم اہل ایمان کو دی ہے جو اس کتاب ہدایت پر ایمان رکھتے ہیں۔وہ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور ہم سے پورے خلوص کے ساتھ اطاعت وخودسپردگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ زندگی کے تمام معاملات کو اس کی مرضی کے مطابق انجام دینے، اپنے تمام اختلافات کو ختم کردینے، باہم الفت ومحبت کی فضا پروان چڑھانے اور ایک ساتھ مل کر جسد

واحد کی طرح کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم اس قعرِ مذلت میں گرنے سے اپنے آپ کو بچاسکتے ہیں جس میں آج ہم گرگئے ہیں اور اسی راہ پر چل کر ہم جہنم کی اس آگ سے بھی خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں جو کل پیش آنے والی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اس وقت کو یاد کریں جب دور جاہلیت میں ہمارے آباء واجداد باہم تفرقہ میں پڑے ہوئے تھے، آپس میں جنگ وجدال کرتے تھے، ایک دوسرے کو لوٹنا اور قتل وغارت گری کرنا جن کا مشغلہ تھا۔ انسانیت کی اس زبوں حالی پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا اور اس نے اپنا دین نازل فرمایا جسے وہ اپنی رسی ''حبل اللّٰہ'' سے تعبیر کرنا پسند فرماتا ہے۔ اور اسے سختی سے پکڑے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ جن لوگوں نے اس کے حکم پر لبیک کہا اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا، اس کے دین کی مخلصانہ پیروی کی، ایک دوسرے سے محبت کرنا سیکھا، اپنے تمام اختلافات کو ختم کیا اور ایک مضبوط ومتحد قوم کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرے۔ ان کی ان مخلصانہ کوششوں سے خوش ہوکر اللہ نے انھیں نہ صرف اس دنیا میں تباہ ہونے سے اور آنے والی زندگی میں جہنم کی آگ میں جھلنے سے بچالیا بلکہ انھیں دنیا کا امام وپیشوا بنایا اور آخرت میں دائمی فلاح اور مسرت سے نوازا۔

ان آیات قرآنی میں ہمارے لیے ایک پروگرام ہے جس پر عمل درآمد کرکے ہم اس پستی سے نکل سکتے ہیں جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔ بظاہر ہم اس بات کے لیے آزاد ہیں کہ اپنی مرضی سے اپنے تمام معاملات خود طے کریں، اپنے ادارے خود چلائیں اور جس طرح چاہیں، اپنا نظام حکومت چلائیں۔ لیکن حقیقت میں صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم زندگی کے مختلف میدانوں میں دوسروں کے احکام کے تابع ہیں۔ ظاہری طور پر ہم مسلم ممالک کا ایک بلاک ہیں اور دوسرے ممالک کی طرح ہم بھی اپنے لیے عزت کا مقام پیدا کرنے کے لیے آزاد ہیں مگر فی الحقیقت ہم لوگ انتشار اور ابتری کے شکار ہیں، گویا کہ ہم ایک بڑا لشکر ہیں۔ ہمارے اوپر آج کی عالمی بڑی طاقتوں (Super powers) سوپر پاورس

کا کنٹرول ہے اور وہی ہمارا رخ متعین کرتی ہیں۔ داخلی و خارجی سطح پر خطرات Challenges روز افزوں ہیں اور ہم ان کے مقابلے کے لیے خاطر خواہ کچھ کر نہیں پا رہے ہیں۔

سب سے پہلے میں جس چیز کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے بیشتر مسلم ممالک میں عوام اور حکمراں طبقہ کے درمیان ایک گہری خلیج حائل ہے۔ عوام کو حقیقی آزادی حاصل نہیں ہے۔ وہ جو کچھ سوچتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اس پر کھل کر اظہار خیال نہیں کرسکتے، ان کے مسائل کیا ہیں اور انھیں جس طرح وہ حل کرنا چاہتے ہیں، اس پر وہ کوئی رائے زنی نہیں کرسکتے ہیں۔ کوئی ایسا مناسب پلیٹ فارم بھی نہیں ہے جہاں وہ ذمہ داران حکومت کے ساتھ مل بیٹھیں اور اپنے مسائل پر گفتگو کرسکیں اور ان کے حل کے لیے صورتیں اور راہیں تلاش کرسکیں۔ اگر کبھی وہ اپنی آواز بلند کرنے کی ہمت کرتے بھی ہیں تو یا تو انھیں روک دیا جاتا ہے یا پھر بزور ان کا منہ بند کردیا جاتا ہے۔

دوسرا بڑا مسئلہ ان ملکوں میں امریکہ اور برطانیہ کے بڑھتے ہوئے اثرات کا ہے۔ جس کے تعلق سے ان ملکوں کے عوام اپنی حکومتوں سے اتفاق نہیں کرتے۔ مزید برآں، امریکہ اور اس کے بعد برطانیہ ان حکومتوں کے کاموں اور پالیسیوں میں مداخلت کررہے ہیں وہ لگاتار اس حد تک ان کا پیچھا کررہے ہیں۔ اور ان حکمرانوں پر وہ ایسے طور طریقے اور ذرائع اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ جن سے ان کے اپنے مفادات کی تکمیل ہو یا ان حکمرانوں کے مفادات کی خدمت ہوتی ہو۔ عوام کی کوئی بھلائی اس سے وابستہ نہیں ہوتی۔ یہ طاقتیں اس وقت جارحانہ رخ اختیار کرلیتی ہیں جب ایسے افکار و نظریات، اقدار اور اداروں کو کھلم کھلا فروغ دیا جاتا ہے جو اسلام کے صریحاً منافی ہیں واضح رہے کہ عوام کے نزدیک اسلام ان کی سب سے عزیز ترین شئے ہے۔ مسلم ممالک پر مغربی اثرات صرف مسلم حکومتوں ہی تک محدود نہیں ہیں۔ ان کی سیکورٹی مکمل طور پر بیرونی افواج کے کنٹرول میں ہے۔ تیل کی ان کی پوری صنعت (Oil Industry) اور ان کی معیشت کا بیشتر حصہ مغرب کے قبضے اور

انتظام وانصرام میں ہے۔ انھیں کے حکم پر تعلیمی نظام میں تبدیلیاں کی جارہی ہیں۔ وہ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو عوام کے افکار وخیالات اور رجحانات تک کو بدل دینا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقی اسلام کے بجائے آزاد خیال(Liberal) اسلام کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح وہ دنیا میں اسلام کی پیش قدمی کو روک دینا چاہتے ہیں۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو میڈیا اور دوسرے پر امن ذرائع تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اس کے لیے وہ طاقت کا استعمال کرنے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔

مسلم ممالک میں عوام اور حکمرانوں کے درمیان اختلاف کی تیسری وجہ حکومت میں عوام کی حصہ داری کا مسئلہ ہے۔ بیشتر مسلم ممالک میں حکومتیں یا تو شخصی ہیں یا ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہیں یا ایک پارٹی انھیں چلا رہی ہے۔ بعض ممالک میں فوج کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ بس چند ہی ایسے خوش نصیب ممالک ہیں جہاں صحیح معنوں میں جمہوری حکومتیں قائم ہیں اور جہاں عوام کو مکمل حقیقی آزادی واختیار حاصل ہے۔ جب کہ کچھ ممالک میں حکمراں طبقہ سے باہر کے افراد کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرسکیں اور تجاویز ومشورے دے سکیں لیکن نہ تو وہ عوام کے منتخب نمائندے ہیں اور نہ ہی انھیں اس کی اجازت ہے کہ وہ حکومتی فیصلوں کے سلسلے میں کوئی موثر رول ادا کرسکیں۔ ایسے ممالک جہاں حکمرانوں کا انتخاب عوام کے ذریعہ ہوتا ہے وہاں ان کا رول بس ایک خاص حد تک محدود ہے کیونکہ وہاں اصل اختیارات ایک شخص یا ایک گروپ کے ہاتھوں میں مرتکز ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بس چند ممالک ہی ایسے ہیں جہاں حقیقی جمہوریت قائم ہے۔

پوری دنیا میں اسلام کے تئیں تیزی سے بڑھتی ہوئی دلچسپی اور مسلم ممالک میں اسلامی تحریکات کے عروج کی بنا پر حقیقی جمہوریت اور اسلام کے اصولوں کے مطابق حکومت میں عوام کی حصہ داری کے لیے دباؤ میں اضافہ ہوا ہے۔ عوام کا احساس ہے کہ جب تک خلافت راشدہ کی روشنی میں ایک اسلامی جمہوریت کے قیام کے لیے اقدامات نہیں کیے جائیں گے اس

وقت تک لوگوں کے دل باہم جڑنے اور مسلم ممالک کے متحد ہونے کا امکان نہیں ہے۔ میں یہاں خلافت راشدہ کی روشنی میں جمہوریت کی وکالت کر رہا ہوں اس سے میری مراد ایسی جمہوریت سے ہے جو خلافت راشدہ کے اصولوں پر مبنی ہو، نہ کہ اس کی تمام تفصیلات پر وہ مشتمل ہو۔ میرا خیال ہے کہ اگر حکمراں طبقہ اور عوام کے نمائندوں کے درمیان صحیح معنوں میں گفت وشنید ہو تو حکمرانی کا ایک ایسا نظام تلاش کیا جا سکتا ہے جو حقیقی جمہوریت پر مبنی ہو یعنی ایسا نظام حکومت جس میں عوام کے منتخب افراد کی نمائندگی ہو اور جو تمام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے۔

دوسری طرف ایک ایسا نظام بھی اپنایا جا سکتا ہے جو جمہوریت کے اصولوں پر مبنی ہو مگر جس میں ایک خاندان کو سیاسی و معاشی قسم کی کچھ خصوصی مراعات حاصل ہوں جیسا کہ برطانوی نظام حکومت میں بادشاہت کو حاصل ہے۔

اس ضمن میں ایران کا معاملہ خاصی دلچسپی کا موجب ہے جہاں شہنشاہیت کے خاتمے کے بعد مختلف شعبہ ہائے حیات میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے جیسے: معیشت، معاشرت اور حکومت وغیرہ۔ مغربی تسلط کا مقابلہ کرتے ہوئے ایران اپنی آزادی وخودمختاری کو باقی رکھنے میں کامیاب رہا ہے اور ایک جدید طاقت ور ریاست کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا ہے حالاں کہ داخلی طور پر وہ سیاسی امور میں مذہبی رہنماؤں کے کردار کو لے کر تنازع کا شکار ہے۔ البتہ پوری طرح مغربی تسلط کے زیر اثر بادشاہت سے ملک کو نجات دلانے اور اسے اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے سلسلے میں ان کے کردار کو خوب سراہا گیا ہے مگر آج جو اہم سوال انھیں در پیش ہے وہ یہ ہے کہ کیا انھیں محض فقہی اور کلامی مسائل تک خود کو محدود رکھنا چاہیے جس میں ان کا اختصاص ہے۔ اور باقی عام افراد کو دوسرے لوگوں کی طرح سیاسی امور میں حصہ لینا چاہیے۔ پھر اسی سے جڑا ہوا ایک اور مسئلہ بھی ہے: اور وہ یہ ہے کہ امام خمینی علیہ الرحمہ کے جانشین رہبر صدر ریاست کا کیا رول ہونا چاہیے اور اس کے برعکس عوام کے ذریعہ منتخب صدر

کا کیا کردار ہونا چاہئے ۔ اس وقت ایران اس طرح کے مسائل سے دو چار ہے۔ ان سوالات کا جواب اور نتیجہ ایران میں جمہوریت کا مقام متعین کرے گا۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے ایرانی بھائی کوئی ایسا حل تلاش کریں گے جو ایک طرف ان کی تاریخی روایت کو محفوظ رکھ سکے گا اور دوسری طرف جمہوریت کے فروغ میں بھی معاون ثابت ہوگا۔ ایک بار جب حکمراں طبقہ۔ خواہ وہ کوئی فرد ہو یا خاندان یا کوئی۔ طبقہ۔ اور عوام کے درمیان کی خلیج پر ہوجائے گی تو صحیح معنوں میں آزادی بحال ہوگی، انسانی حقوق کا تحفظ ہوگا، اور پورا ملک متحد ہوجائے گا۔ پھر اگلا قدم ہر ایک ملک کی مکمل ترقی اور ایک حد تک خاص میدانوں میں خودمختاری اور ان باہری طاقتوں پر انحصار میں کمی کا ہوگا جو ہر طرح سے اس کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ مسلم ممالک پر اپنے اختیار اور کنٹرول کو تمام ممکن ذرائع سے طول دیا جاسکے۔ اسلام سے سچی وابستگی ،عوامی آزادی کی بحالی اور فیصلہ سازی میں عوام کی شرکت کے بغیر ملک حقیقی آزادی سے ہم کنار نہیں ہوسکتا۔

جب یہ مقصد پیش نظر ہوگا تو ہمارے ممالک کے درمیان آپس کے اختلاف کو ختم کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ تنظیم اسلامی کانفرنس (OIC) ان مسائل کو موثر انداز میں حل کرنے کے لیے مطلوبہ راستوں اور ذرائع پر غور وفکر کرے گی اور مسلم ممالک کو کم از کم یوروپین یونین کے طرز پر ایک مضبوط وفاق بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ جس دن یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگا اس دن مسلم دنیا حقیقی معنوں میں مغربی تسلط سے آزاد ہوگی۔ اسرائیل کی پیش قدمی روکنے کے قابل ہوگی اور ہمارے فلسطینی بھائیوں کو ان کی اپنی آزاد ریاست دلوا سکے گی۔

میں اس دعا پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ مختلف برادران ملت کا یہ اجتماع اس حقیقی اتحاد کے حصول کے لیے صحیح معنوں میں آغاز ثابت ہو جس کا خدا نے ہمیں حکم دیا ہے۔

❁❁❁

مولانا حیدر مہدی۔لکھنؤ

عبادت

خداوند عالم نے اس دنیا کو مختلف طرح کے حسین و جمیل باغ، باغیچوں سے سجایا ہے کہیں آسمان کی دلکش قندیل ہے تو کہیں زمین کا وسیع فرش، کہیں اونچے پہاڑ ہیں تو کہیں سخت زمین، کہیں گہرے وسیع سمندر ہیں تو کہیں وسیع ریگستانی علاقہ اور کہیں صحرائی و جنگلی علاقہ ہے تو کہیں ہموار و شاداب زمین اور اس کی ہر تخلیق کا ایک مقصد ضرور ہے۔

نباتات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ جانوروں کی غذا بن سکیں، اور حیوانات کو اس لئے پیدا کیا تا کہ وہ انسانوں کے کام آئیں۔

غرض یہ کہ ہر مخلوق خدا کے حکم سے اور قضا و قدر الٰہی پر راضی ہے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ اللہ کے حکم کی اطاعت فرمانبرداری کر رہا ہے، اپنے مالک کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ اپنے پروردگار کی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہے۔ یہاں تک کہ فرشتگان آسمان کے درمیان کوئی حالت رکوع میں ہے تو کوئی سجدے کی حالت میں کوئی، حالت قیام میں ہے تو کوئی قعود میں ذکر الٰہی کر رہا ہے انھیں حقائق کی نشاندہی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ انسان جس کو خداوند عالم نے اشرف المخلوقات یعنی تمام موجودات پر فضیلت دی ہے وہی اپنے مالک کو بھلا بیٹھا ہے جبکہ خدا کی دیگر مخلوقات ہر وقت خدا کے ذکر میں مشغول رہا کرتی ہیں۔ موسیٰ نے خدا سے سوال کیا۔

پروردگار! تیرا سب سے زیادہ عبادت گذار بندہ کون ہے؟

ارشاد ہوا: اے موسیٰ دریا کے کنارے جاؤ وہاں تم خود ہی دیکھ لو گے کہ سب سے

زیادہ عبادت گذار بندہ کون ہے۔

موسیٰ دریا کے قریب گئے اور دیکھا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دریا میں جھکی ہوئی ہیں۔ اس شاخ پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔موسیٰ سمجھ گئے کہ یہ پرندہ ہی سب سے زیادہ عبادت گذار مخلوق ہے۔موسیٰ پرندہ سے مخاطب ہوئے اور سوال کیا۔"تم کب سے خدا کی عبادت کررہے ہو"؟

پرندہ نے جواب دیا۔ میں اس گوشہ میں سالہا سال پہلے سے عبادت خداوندی میں مصروف ہوں۔موسیٰ نے اس پرندہ سے دریافت کیا۔" کیا تیری کوئی دنیوی حاجت نہیں ہے۔

اس نے جواب دیا۔کوئی خاص حاجت تو نہیں ہے البتہ مجھے شدید پیاس کا احساس ہورہا ہے۔

موسیٰ نے کہا: تو پانی سے اتنا زیادہ قریب ہے کہ اپنی چونچ نیچے جھکا کر اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔

اس نے کہا: اے نبی خدا! میں پانی اس لئے نہیں پی رہا ہوں کیونکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ لذت آب مجھے کہیں لذت عبادت سے محروم نہ کردے۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ خدا کی دوسری مخلوقات اس کے ذکر سے غافل نہیں ہیں۔

دوسری طرف ہر انسان یہ جانتا ہے کہ اس کو خلق کرنے والا خالق اکبر ہے اور وہی قابل پرستش اور قابل حمد وثنا ہے۔گویا وہ یہ جانتا ہے کہ اسکی خلقت کا ہدف کیا ہے۔ پھر بھی وہ یہ سوال کرتے ہوئے شرمندگی نہیں محسوس کرتا کہ ہمیں کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ مقصد معلوم ہوجاتا تو اسی مقصد وہدف کے مطابق اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کرتے۔ واضح رہے کہ مقصد تخلیق بالکل سامنے کی چیز ہے پھر بھی انسان اس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

پس خداوند عالم نے انسان کے اس کے سوال کا جواب اس طرح دیا ہے:

"وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون" (سورہ ذاریات آیت ۴۵)

عبادت لفظ ''عبد'' سے لیا گیا ہے اور عبادت کے لغوی معنی بندگی اور اطاعت کے ہیں۔ یعنی اپنے مولا سے سراپا تعلق برقرار رکھنا اور اس کی اطاعت میں ہرگز سستی کے شائبہ کا نہ ہونا۔ اور دوسرے لفظوں میں ''عبودیت'' یعنی معبود کے سامنے عجز وناتوانی کا اظہار کرنا اور یہ عقیدہ وایمان رکھنا کہ خدائے وحدہ لاشریک'' کے علاوہ ہر چیز مخلوق کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ہر چیز پست وادنیٰ اور فانی ہے۔ پس فقط خدا کی ذات ہے جس کے سامنے انسان تواضع اور کسی غیر خدا کے سامنے عاجزی وبندگی کا نہ مظاہرہ کرے اور نہ انکساری کا اظہار کرے۔ اور اصطلاحی معنی ہر اس کام کا انجام دینا جو خداوند عالم کی رضا وخوشنودی کا سبب ہو۔

یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خداوند عالم ہی ایک ایسی ذات ہے کہ جس سے تقرب کا نام عبادت واطاعت ہے۔ خداوند عالم اس لفظ کو جن وانس کی خلقت کا بنیادی سبب قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

"وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون" (سورہ ذاریات آیت ۴۵)

بیشک ہر فرد عاقل ودانا جب بھی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے ہدف وعافیت کو ایک مقصد قرار دیتا ہے چنانچہ اس خدا کیلئے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے، جو سب سے زیادہ عاقل ودانا اور حکیم وعلیم ہے، کہ وہ کسی چیز کو پیدا کرے اور وہ بے مقصد ہو۔ اس کے باوجود ہمارے ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں کیوں پیدا کیا ہے؟ کیا خدا کے پاس کسی چیز کی کمی تھی کہ جس کا وہ محتاج تھا اور اپنی احتیاج کو برطرف کرنے کے لئے خلق کیا جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ خدا کا وجود غنی بالذات ہے اور وہ ہر جہت سے کامل ہے۔

مذکورہ عبارت کی روشنی میں دو باتیں روز روشن کی طرح نمایاں ہوجاتی ہیں کہ خداوند عالم کا کوئی بھی فعل وعمل بغیر مقصد کے نہیں ہوتا۔ اور حقیقتاً یہ ہدف مخلوق ہی کی طرف پلٹتا ہے اور خدائے متعال ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

اس ہدف سے مختلف مرادیں لی گئی ہیں ۔ لیکن ہماری بحث کا تعلق اسکی ایک مراد سے جس کو عبودیت وبندگی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ عبادت وبندگی اضطراری اور جبری نہیں ہونی چاہئے ۔ اس صورت میں جبکہ اختیار انسان اسکے بالاترین کمالات میں سے تعارض پیدا کرتی ہے۔ پس وہ عبادت جو انسان کی خلقت سے ایک ہدف کے تحت چاہی گئی ہے وہ اختیاری ہونی چاہئے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

''انّا ھدیناہ السّبیل امّا شاکرا وّ امّا کفورا۔'' (سورہ دھر آیت ۳)

پس وہ عبادت جو انسان سے بہ عنوان ہدف آفرینش چاہی گئی ہے وہ اس کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس راہ بندگی کو انسان کی طرف منسوب کیا ہے تا کہ انسان میل ورغبت کے ساتھ سیر عبودیت میں قرار پائے کیونکہ خدا انسان سے حقیقی بندگی چاہتا ہے ۔ اور یہ مطالبہ خداوندی تشریعی ہے تکوینی نہیں۔ خدا کے تکوینی مطالبہ کے عملی رنگ وروپ اختیار کرنے میں انسانی اختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔ مثلاً خداوند عالم کا ایک تکوینی مطالبہ یہ ہے کہ ہر انسان کو ایک ماں اور باپ کے وسیلہ سے پیدا کرے۔ خواست تکوینی خدا یعنی جس میں کسی کا دخل نہ ہو اور اسکا انجام پانا اضطراری اور جبری ہو۔

لیکن عبادت تشریعی ہے جس کی ادائیگی کے لئے انسان کو اختیار ہے ۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔

''وقضیٰ ربّک الّا تعبدوا الّا ایّاہ۔'' (سورہ اسراء۔ آیت ۲۳)

''تمہارے رب کا فیصلہ اور حکم یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔''

خدا کا یہ حکم تشریعی ہے اور اس کو انجام دینے کے لئے انسان کو اختیار ہے۔

مذکورہ باتوں سے روشن ہے کہ خلقت انسان کا مقصد بندگی پروردگار ہے اور جن اوامر ونواہی کو خدا انجام دیتا ہے اسے انسان یا غیر انسان کے سپرد کیا گیا ہے۔ امام صادقؑ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''خلقھم لیأمرھم باعبادۃ'' (بحار ج ۵، ص ۳۱۴)

”خدا نے جن وانس کو پیدا کیا ہے تاکہ انھیں عبادت کا حکم دے۔“

خداوند عالم نے جن وانس کو بندگی کا راستہ دکھادیا اب وہ چاہے اس راستے کو اختیار کریں یا نہ کریں اور گمراہ ہوجائیں)

بہرحال خدا کی خلقت بیہودہ اور عبث نہیں ہے بلکہ جملہ تخلیقات کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے۔ اور وہ غرض عبادت اختیاری ہے لیکن بعض لوگوں نے اس اختیار سے سوء استفادہ کیا ہے۔

اگر ان امور میں مطالبہ خداوندی تکوینی ہوتا تو وہ نافرمانی کے راستے کو ہرگز نہ کھولتا اطاعت ونافرمانی کے راستے کی ایک ساتھ نشاندہی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کو اپنے معبود کی بندگی کے سلسلے میں صاحب اختیار بنا کر بھیجا گیا ہے اور اسی جگہ سے انسان کے امتحان کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

وھو الذی جعلکم خلٓئف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجٰت لّیبلوکم فی مآ اٰتٰکم۔ (انعام آیت ۱۶۵)

”خدا وہ ہے کہ جس نے تمھیں زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر برتری دی تاکہ جو کچھ تمھیں عطا کیا ہے اس میں تمھاری آزمائش کرے۔“

اور یہ اختلاف جو خدا نے بشر کے اندر قرار دیئے ہیں وہ ایک ایسا اختلاف ہے کہ جسے مورد آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی انسان ایک دوسرے پر امتیاز نہیں رکھتا۔ اس مطلب کی وضاحت امام محمد باقرؑ کی درج ذیل حدیث سے ہوجاتی ہے۔

امام فرماتے ہیں۔ ”خداوند عالم نے اولاد آدم کو ان کی پشت سے خارج کیا تاکہ ان سے اپنی روبیت اور انبیاء کی نبوت اور پیغمبری کا عہد وپیمان لے۔

خداوند عالم نے آدم سے فرمایا: غور کرو اس کی طرف کہ کیا دیکھ رہے ہو:

آدمؑ نے اپنی ذریت کی طرف نگاہ کی اور کہا: پروردگار! مجھے اور میری ذریت کو خلق

کرنے سے تیرا منشا کیا ہے؟ اور کس وجہ سے تو نے عہد و پیمان لیا ہے؟

خدا فرماتا ہے: اس لئے تا کہ وہ میری عبادت کریں، کسی کو میرا شریک قرار نہ دیں۔ ہمارے فرستادہ پیغمبروں پر ایمان لے آئیں اور ان کی پیروی کریں۔

آدمؑ نے فرمایا۔ خدایا۔ ان کی خلقت کس طرح سے ہے کہ ان میں سے بعض بزرگ ہیں۔ بعض کے نور زیادہ ہیں اور بعض کے کم ہے اور بعض بالکل بے نور ہیں۔

خداوند عالم نے فرمایا۔ میں نے انھیں جن حالات میں پیدا کیا ہے انھیں حالات میں انھیں آزماؤں گا۔ (اصول کافی کتاب۔ الایمان والکفر باب آخر ج ۲)

خداوند یہ چاہتا ہے کہ جس صورت میں پیدا کیا ہے بندے اس کا شکریہ ادا کریں اور اسکی اس طرح عبادت کریں کہ حقیقی بندوں میں شامل ہو جائیں۔

بندگی و قرآن:

قرآن مجید کے دامن میں ایسے واقعات محفوظ ہیں جن کی روشنی میں عبودیت کا نورانی جلوہ دیکھا جا سکتا ہے۔

آیئے جناب ابراہیمؑ کے اس واقعہ پر نظر ڈالتے ہیں جسے قرآن نے البلاغ المبین" کے نام سے یاد کیا ہے جو ہمارے لئے درس عبرت ہیں۔

ضعیف باپ نے خواب میں دیکھا کہ میں حسین جوان فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا ہوں۔ وہ متواتر کئی شب یہ خواب دیکھتے رہے جب حکم الٰہی سے مطلع ہو گئے تو اپنے فرزند سے عرض کیا۔ اے نور نظر میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بیٹے نے خواب سنتے ہی بغیر کسی تامل کے جواب دیا۔ "یا ابتا افعل ما تؤمر" اے بابا جو حکم دیا جا چکا ہے اس پر بخوشی آپ عمل کریں بندگی کی یہ وہ اعلیٰ ترین مثال ہے جہاں عقل بشر ششدر رہ جائے کہ ایک جوان نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے کس طرح رضا مندی کے ساتھ بندگی کا ثبوت دیا۔

قرآن مجید نے باپ اور بیٹے کی اس بے لوث جذبہ قربانی کی ان لفظوں میں ستائش کی ہے۔" فلما اسلما" جو حقیقت بندگی کا مظہر ہے۔ یعنی باپ اور بیٹے دونوں نے حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے حقیقت بندگی کا ثبوت دیا لیکن روح بندگی کچھ اور ہی ہے۔ اور وہ ہے قربت خدا کی آخری منزل جہاں بندہ اپنی عاجزی اور خداوند ذوالجلال کی عظمت کے تصور کے ساتھ ہی اپنی پیشانی خاک پر رکھدے۔ اور صرف زبان ہی نہیں بلکہ تمام اعضاء وجوارح بلکہ جسم کا رویاں رویاں زبان حال سے کہہ اٹھے۔ سبحان ربّی الاعلیٰ وبحمدہ"

خاصان خدا ہر حال میں اپنے مالک کو یاد رکھتے ہیں چاہے ان پر خدا نعمات نازل کرے یا ان سے نعمتوں کو سلب کر کے ان کا امتحان لے قرآن گواہ ہے جناب ایوب بہت زیادہ ثروتمند اور بہت زیادہ اولاد والے تھے لیکن جب خدا نے ان کا امتحان لینا چاہا تو ان سے تمام نعمتیں سلب کر لیں مال واولاد ختم ہوگیا قرآن نے اس مصیبت کو اس طرح بیان کیا۔

"وایّوب اذ نادیٰ ربّہ انی مسّنی الضّر وانت ارحم الرّحمین" (سورہ انبیاء ۸۳)

" ایوب نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ بیشک مجھ پر مصیبت آپہونچی ہے اور تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

قرآن مجید نے مردوں کے علاوہ ایک ایسی خاتون کی بندگی کو بیان کیا ہے جو ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ جناب مریمؑ مادر عیسیٰؑ خدا کی کنیز خاص تھیں ان کی عبادت وبندگی کا نتیجہ تھا کہ خدا نے انھیں بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اذاقالت الملائکۃ یا مریم ان اللّٰہ یبشّرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم (سورہ آل عمران ۴۵)

اے مریم! ہم نے تمھیں ایک کلمہ کی خوشخبری سنائی ہے اور وہ کلمہ الٰہی ہے جس کا نام ہم نے عیسیٰ ابن مریم قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کے بعد جب جناب عیسیٰ نے اپنی

ماں سے پوچھا۔ اے مادر گرامی کیا آپ دنیا میں آنا چاہتی ہیں۔ عیسٰی نے سنا کہ ماں نے لبیک کہا۔ عیسٰی نے پوچھا۔ مادر گرامی آپ کیوں دنیا میں آنا چاہتی ہیں؟ جواب دیا:

اے فرزند عزیز! میں دنیا میں اس لئے آنا چاہتی ہوں تا کہ گرمیوں کے دنوں میں سخت ایام میں روزہ رکھوں اور سردی کی شدت میں شب بیداری کروں۔ (ہمارے لئے یہ تعجب آور بات ہے کہ وہ خاتون جو جنت کے بالاترین درجہ کی حامل ہے وہ دنیا میں واپس آنا چاہتی ہے وہ بھی ایک ایسی خاتون جس کے لئے دنیا میں نہ کوئی گھر نہ خاوند اور نہ ہی ہماری طرح لذیذ غذاؤں سے کوئی لگاؤ ہے یہ خواہش وتمنا صرف اس لئے ہوسکتی ہے تا کہ اپنے معبود حقیقی کی عبادت وبندگی بجالائے۔

حقیقی عبادت:

معارف اسلامی کا ایک مسلم اصول یہ بھی ہے کہ عبادت میں اخلاص شرط ہے۔ ''وما اُمروا الّا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدّین'' (سورہ بینہ ۵)

اخلاص کے بالاترین مراتب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان ہوا وہوس کی اطاعت نہ کرے کیونکہ جہاں خواہشات ہوں گی ہوائے نفس کا وجود ہوگا۔ اور ایسی جگہ حتی شرک بھی حاضر رہتا ہے ہوائے نفس کی اطاعت ظاہراً شرک نہیں ہے لیکن دقیق ترین مفہوم سے دیکھا جائے تو عظیم ترین شرک ہے یعنی توحید کے قرار کے ساتھ غیر خدا کی عبادت وپرستش کرنا اس لئے کہ توحید کا صرف ایک درجہ ومرتبہ نہیں ہے یہاں تک حدیث میں آیا ہے۔

ان دبلیب الشرک فی القلب اخفی من دبلیب نملۃ سودا علی الصخر الصحاء فی اللیلہ الظلماء'' (بحار الانوار ۷۲ باب ۹۸ ص ۹۶)

مخفیانہ شرک انسان کے دل میں اس طرح چھپا ہوتا ہے جس طرح سے ایک سیاہ چیونٹی شب کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر حرکت کررہی ہو۔''

عبادت حقیقی تو یہ ہے کہ مولائے متقیان حضرت علی فرماتے ہیں۔

"ماعبدتک خوفا من نارک ولاطمعا فی جنتک بل وجوتک اھل العبادہ فعبدتک" (بحارج ۴۱ ص ۱۴ باب ۱۰۱)

حقیقی عبادت اس وقت ہوسکتی ہے کہ جب اس میں درجہ ذیل شرائط موجود ہوں۔

اخلاص:

لفظ اخلاص "خلص" سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہے خالص کرنا۔ شفاف و زلال۔یعنی جس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو) اور یہاں پر اسی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اخلاص۔یعنی نیت کوتمام نواقض وشبہات سے خالص کرنا ہے۔

کیونکہ خلوص نیت ہر کام کی بنیاد اور اساس ہے جس کی زیادتی قرب خدا کاموجب ہے۔ اور یہ اخلاص انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور ابدی ترقی کا باعث ہے۔قرآن نے مسئلہ اخلاص کومختلف طریقہ سے بیان کیا ہے۔

۱۔ الا لِلّٰہِ الدّین الخالص۔" (سورہ زمر آیت ۳)

۲۔الاّ الّذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینھم للہ۔

(سورہ نساء آیت ۱۴۶)

کتاب کافی میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: خوشحال اور خوشبخت ہے وہ شخص جو اپنی عبادت ودعا کو خالصانہ خدا کے لئے انجام دے اور اس کا دل اس کی طرف توجہ نہ دے جسے اس کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اور جو کچھ ان کے کان سنتے ہیں وہ انہیں یادخدا سے غافل نہیں کرتے اور جو چیز کسی دوسرے کو عطا کی جاتی ہے اس سے حسد نہیں کرتے۔

مراتب اخلاص:

اخلاص کے مختلف مراتب ودرجات ہیں۔

مرتبہ شاکرین:

یہ وہ افراد ہیں جو خدا کی لاانتہائی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے عبادت کرتے ہیں اور اس کے بارے میں خدا فرماتا ہے۔ ''وان تعدّوا نعمة الله لاتحصوها'' اور مولا علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں وہ لوگ جو عبادت کرتے ہیں ان کے تین گروہ ہیں۔

ا۔ وہ گروہ جو اجر و ثواب کے اشتیاق میں عبادت کرتے ہیں جسے تاجرانہ عبادت کا نام دیا جاتا ہے۔

۲۔ وہ گروہ جو خوف خدا اور عذاب الٰہی کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔ ایسی عبادت کو غلامانہ عبادت کہا جاتا ہے۔

۳۔ وہ گروہ ہے جو خدا کا شکر بجالانے کے لئے عبادت کرتا ہے۔ اسے آزادگانہ عبادت کہتے ہیں۔

مرتبہ مقربین:

یہ وہ لوگ ہیں جو قرب خدا کی خاطر عبادت کرتے ہیں۔

قربت خدا یعنی خدا سے نزدیک ہونا ممکن ہے کہ نزدیکی مرتبہ کمال ہو یا اس نزدیکی سے ارتباط اور محبت مراد ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی کا دوست ہے وہ مغرب میں ہے اور اس کا دوست مشرق میں لیکن دونوں کے تعلقات خط و کتابت اور ٹیلیفون کے ذریعہ برقرار ہے دوری کے باوجود قربت موجود ہے یا اسکے برعکس یہ کہ بعض تو نہایت قریب ہوتے ہیں لیکن تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے بہت دور ہیں۔

خدا سے قربت یعنی ذکر و عبادت سے روابط کو برقرار رکھا جانا۔

مرتبہ اہل حیاء:

یہ وہ حضرات ہیں جن کا مقصد طاعت و عبادت میں اپنے مالک سے شرم و حیا کرنا

ہے کیونکہ انھیں اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن سے بھی آگاہ ہے ذہنوں کے فتور سے آگاہ ہے لہذا وہ اپنی بد بختی اور خدا کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے سامنے حیا وشرم محسوس کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"اعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"

"خدا کی عبادت کرو اس طرح گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے۔" لقمان حکیم اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں۔

اے میرے فرزند جب گناہ کا ارادہ کرو تو ایسی جگہ اختیار کرو جہاں خدا نہ دیکھ رہا ہو۔

مرتبہ متلذذین:

یہ خدا کے وہ خاص بندے ہیں جو دنیا کی لذات ونعمات کو ترک کر کے عبادت وذکر خدا سے لذت حاصل کرتے ہیں امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"بہتر افراد وہ ہیں جو عبادت کی نسبت عشق ومحبت رکھتے ہیں اور دل سے اسے محبوب رکھیں اور اعضاء وجوارح سے انھیں انجام دیں اور اس کے لئے اپنے کو ہر طرح کی فکر سے خالی رکھیں۔ ایسے شخص کے لئے مساوی ہے چاہے سختی میں زندگی گذارے یا امن وسکون میں"

مرتبہ محبین:

یہ خدا کے وہ عبادت گذار بندے ہین جو عبادت وطاعت کے ذریعہ بالاترین درجہ تک پہونچے ہوئے ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے "یحبّھم ویحبّونہ"

"خدا انھیں محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں"

مولائے کائنات اپنے معشوق حقیقی سے اظہار عشق ومحبت اس طرح کرتے ہیں:

"صبر تک علیٰ عذابک فکیف اصبر علیٰ فراقک" (دعای کمیل) اور امام سجادؑ مناجات انجیلیہ میں فرماتے ہیں "تیری عزت کی قسم! میں تجھ سے اس قدر عشق و محبت رکھتا ہوں کہ تیری محبت کی چاشنی میرے قلب میں رچ بس گئی ہے اور میری جان میں اس

کی وجہ سے شادابی آگئی ہے۔

مرتبہ عارفین:

یہ وہ اہل معرفت بندے ہیں جو خدا کو شائستہ اور لائق عبادت سمجھ کر اور کمال مطلق جان کر اس کی عبادت کرتے ہیں اہل معرفت اس طرح خدا کے سامنے دعا کرتے ہیں جیسے انھوں نے معرفت حاصل نہ کی ہو امام سجاد مناجات خمس عشر میں فرماتے ہیں ''واجعلنا من اخص عارفیک واصلح عبادک واصدق طائعیک واخلص عبادک''

مرتبہ اہل طمع:

جو اجر یا پاداش کی طمع و لالچ وخوف عذاب سے نجات کے لئے عبادت کرتے ہیں قرآن فرماتا ہے: ''ربّنا آتنا فی الدّنیا حسنة وّفی الآخرة حسنة وّقنا عذاب النّار''

نمونہ اخلاص:

ابن عباس کہتے ہیں: امام حسنؑ وامام حسینؑ جب بیمار ہوئے تو رسول خداؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، کچھ لوگوں نے حضرت علیؑ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنے فرزندوں کی صحت یابی کے لئے نذر کریں۔

حضرت علیؑ حضرت فاطمہ زہرا (س) اور ان کی کنیز حضرت فضہ نے نذر کی کہ اگر ان کے دونوں بچے صحت یاب ہوگئے تو وہ تین دن تک روزے رکھیں گے۔ پس ان کے لخت جگر صحتیاب ہوگئے اور بیماری کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ تو انھوں نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے تین دن تک روزے رکھے اور افطاری کے لئے ''جو'' کسی سے قرض لیا تا کہ اس سے روٹی پکائی جاسکے۔ افطار کے وقت پہلے دن مسکین۔ دوسرے دن یتیم اور تیسرے دن اسیر نے ان کے دروازہ پہ دستک دی اور کھانا مانگا۔ اس عظیم گھرانے نے ایثار کیا اور تینوں روز اپنا کھانا اٹھا کر ان کو دے دیا اور خود تینوں روز فقط پانی سے روزہ افطار کیا۔

چوتھے روز حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ وحسینؑ کو پیامبر گرامی کی خدمت میں لیکر گئے اس حالت میں کہ وہ بھوک سے نڈھال اور تھر تھرا رہے تھے۔ یہ منظر حضرت پیغمبر اکرمؐ کو نہایت پریشان کئے تھا۔ آنحضرت ان سب کے ساتھ حضرت زہرا(س) کے گھر تشریف لائے جبکہ حضرت زہراؑ اس حال میں تھیں کہ بھوک کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے اور نماز پڑھ رہی تھیں۔ نبی اکرمؐ پر یہ منظر بہت گراں گذرا اور وہ بہت افسردہ ہوئے، اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور پیامبر اکرمؐ کے ایسے جلیل القدر اہلبیتؑ ہونے کے سلسلے میں انھیں مبارکباد دی اور سورہ "ھل اتیٰ" آنحضرت کے لئے تلاوت کیا۔ (کشاف ج ۴ ص ۶۷۰)

عمل میں اخلاص اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اس سلسلے میں حدیث قدسی میں آیا ہے کہ یہ "الاخلاص من شرمن اسراری استودعته قلب من اجبت من عبادی" "اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے کہ جسے میں اپنے محبوب بندے کے دل میں قرار دیتا ہوں۔" (میزان الحکمہ ج ۳ ص ۵۷)

اور لہٰذا بحث سے قبل ضروری ہے کہ حضور قلب کی بحث کردی جائے جس کا عبادت سے بہت گہرا تعلق ہے۔

مولانا سید ناصر زیدی مرحوم، پٹنہ

داستانی انداز فکر

نصف صدی سے بھی پہلے کی بات ہے کہ اُردو کی کتاب ''حکایات شیریں'' پڑھنے کا موقع ملا بچپن کا زمانہ قصے کہانیوں کے سننے کا دل وجان سے شوق، وہ کتاب کچھ ایسی پسند آئی کہ آج تک اس کا نام یاد ہے اور جہاں تک خیال آتا ہے کہ اسی کتاب میں ''شیخ چلی'' کی بھی کہانی پڑھی تھی۔ بہر حال کسی بھی کتاب میں پڑھی ہو، واقعہ یہ تھا کہ ''شیخ جی'' نے کچھ انڈے خریدے، ٹوکری سر پر رکھی اور چلے اپنے گاؤں کی طرف۔ آدمی دلچسپ مگر بے وقوف تھے۔ خیالی پلاؤ پر ہی زندگی گذارتے اور ہوائی قلعے بناتے رہتے تھے۔ راستہ ذرا طویل تھا۔ دل میں سوچتے جارہے تھے کہ یہ انڈے بٹھاؤں گا، ان سے بچے نکلیں گے۔ پھر وہ چوزے بڑے ہوں گے۔ مرغیاں اور مرغ بنیں گے ان سے جو انڈے حاصل ہوں گے انھیں بیچوں گا، اور مزید انڈوں سے مرغیوں میں اضافہ بھی کرتا جاؤں گا۔ انھیں فروخت کرکے گائے لوں گا اور جب اس کی بھی نسل بڑھے گی تو گھوڑے لاؤں گا، ان کی تجارت کے بعد اتنی دولت تو ضرور ہوجائے گی کہ ایک ہاتھی خرید سکوں گا۔ پھر اس ہاتھی پہ ہودج سجاؤں گا۔ اس پرشان سے بیٹھ کرمست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا سسرال جاؤں گا۔ اسی خیال میں مگن شیخ جی جھومنے بھی لگے کہ انڈوں کی ٹوکری سر سے نیچے آرہی اور سارا خواب چکنا چور ہوکر رہ گیا۔ بچارے! کیا کرتے ان کے ہر خیالی پلاؤ کا انجام یہی ہوتا ہے اور اسکے بعد یہی وردِ زبان رہتا ہے۔

پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

مسلمانوں کا بھی ساری دنیا میں یہی حال ہے، خوب خوب عقلی تکے لگاتے خیالی گھوڑے دوڑاتے ہوائی قلعے بناتے اور اسی مستی میں ملی سطح پر زندگیاں گنواتے ہیں۔ کوئی ایک

رنج ہوتو بیان کروں، یہاں تو ہر شعبہ زندگی کا یہی حال ہے۔

۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ہندوستان کی ۳۵ کروڑ کی آبادی میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان تھے اور چالیس سال کے بعد جب پورے ملک کی آبادی پچھتر کروڑ ہوئی تو مسلمان اس میں ساڑھے نو کروڑ ہوئے ان اعداد وشمار کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ لیکن ہم ابتداء سے ہی دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ ایک طرف متعصب ہندو تنظیمیں مسلسل واویلا مچاتی چلی آرہی ہیں کہ مسلمان سالانہ دس سے بارہ فیصد بڑھ رہے ہیں اور دوسری طرف نا آشنائے مذہب وسیاست مسلمان، اخباروں اور رسالوں میں چھپتے نظر آرہے ہیں کہ ہماری آبادی دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بڑھ رہی ہے۔ یہاں تک کہ اب مسلمانوں کا تخمینہ یہ ہے کہ ہندوستان میں پچیس تیس کروڑ تک مسلمان پہنچ چکے۔ لیکن اس کے پس پردہ کون سی طاقت کام کررہی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کی طرف مسلمانوں کے بڑے بڑے سیاست داں اور دانشور بھی توجہ نہیں دے رہے ہیں۔

دنیا میں مسلم آبادی کے سلسلہ میں کیا ہو رہا ہے، اسے کوئی ہندوستانی مسلمان ٹھنڈے دل سے سوچنے کے لئے تیار نہیں البتہ ہندوستانی اخباروں میں جو خبریں مسلمانوں کے اضافہ آبادی سے متعلق شائع ہوتی ہیں۔ ذرا انکی طرف نظر کیجئے۔ ایک مشہور اخبار اپنی ۲۲ / جون ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں رقم طراز ہے۔

”ہر ساٹھ منٹ میں اٹھارہ ہزار افراد کا قبول اسلام“

اس سرخی کے بعد خبر کا خلاصہ یوں ہے۔

”کرۂ ارض پر اس وقت ایک گھنٹہ میں اٹھارہ ہزار افراد مسلمان ہوتے ہیں اور ایک دن میں چار لاکھ ۳۲ ہزار اور ایک برس میں سولہ کروڑ ۳۲ لاکھ انکی تعداد پہنچ جاتی ہے۔ اس حساب سے دو ہزار عیسوی تک کرۂ ارض پر اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہونا چاہئے اور مسلمانوں کی تعداد دو ارب ۲۵ کروڑ سے بھی بڑھ جائے گی۔“

اخبار مذکورہ نے یہ خبر خودساختہ نہیں پیش کی ہے بلکہ مغربی جرمنی کے ایک مذہبی ادارہ کی یہ رپورٹ ہے۔ کتنی دلچسپ اور مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کی یہ خوش کن خبر ہے۔ اس حساب سے جون ۱۹۹۱ء میں صرف اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ایک ارب تریسٹھ کروڑ ہوجائے گی۔ جبکہ اسی ادارے کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۱ء میں ساری دنیا میں مسلمانوں کی کل تعداد ایک ارب دو کروڑ تھی۔ اور شرح پیدائش کے اعتبار سے سالانہ پانچ فیصد کا اضافہ مزید علیہ ہے۔ اس طرح اقلیدسی تناسب آبادی اور اضافہ آبادی کے بموجب بیسویں صدی کے اختتام پر دنیا میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً پانچ ارب ہوجائے گی۔ جبکہ مفکرین عالم اور بڑے بڑے حساب دانوں نے بتلایا ہے کہ آبادی جس تناسب سے بڑھ رہی ہے اس کے حساب سے اس صدی کے اختتام تک پوری دنیا کی آبادی چھ ارب کے قریب پہنچ جائے گی۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہوگی تو یقیناً دوسروں سے پانچ گنا زیادہ ہوجائیں گے۔

ع بدین عقل و دانش بہ باید گریست۔

افسوس! مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ اس مسلم شماری اور ان کے اضافہ آبادی کے پیچھے کیا راز ہے اور یہ سب کون کر رہا ہے۔ ہمیں اپنے دشمنوں کو پہچاننا چاہئے۔ دنیا میں کس طرح ہمارا استحصال ہو رہا ہے اور ہم ہر جگہ نہیں قتل و غارت اور تباہ و برباد کئے جا رہے ہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ نہایت سنگین مسئلہ ہے اس کے پیچھے دنیا کی بڑی طاقتیں زبردست کام کر رہی ہیں اور ان طاقتوں کی نکیل یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہودی آج ہمارے کوئی نئے دشمن نہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو شاید کچھ حقیقت سمجھ میں آئے۔ ان یہودیوں کو اس وقت سے اسلام سے نفرت ہے جب انہیں یہ علم ہوا کہ منصب الٰہی بنی اسحاق کو نہ مل کر بنی اسمٰعیل کو ملے گا۔ بس اسی وقت سے وہ اس فکر میں لگ گئے کہ جو بھی بنی اسمٰعیل میں الٰہی منصب دار ہو اسے قتل کردیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ آخری نبیؐ جس کی بشارت توریت اور زبور میں ہے اسے ختم کیا جائے۔ چنانچہ

اسی دھوکہ میں حضرت عیسٰی کو بزعم خود صلیب پر لٹکایا۔ لیکن انجیل کے مطالعہ سے انھیں معلوم ہوا کہ فدیہ دینا ذبح عظیم کا مصداق، آخری ہادی و رہبر اب بھی عالم وجود میں ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے پھر اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ آخر وہ وقت آگیا کہ تاجدار لولوک لما خلقت الافلاک نے ارض مقدس پر ظہور فرمایا۔ جب تک آپؐ نے اعلان رسالت نہیں فرمایا، اس وقت تک کوئی کیا سمجھ سکتا تھا کہ یہ کون سی ہستی ہے؟! مگر قوم یہود مسلمان جیسی احمق اور نادان نہ تھی۔ ہر عہد اور ہر زمانہ میں اپنے ہدف کی تلاش و جستجو میں متفکر و سرگرداں رہی۔ جس کا ثبوت تاریخوں سے مل جاتا ہے۔

یاد کیجئے اس واقعہ کو جب حضرت عبد المطلب نے اپنی وفات کے وقت اپنے آٹھ برس کے یتیم پوتے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے حقیقی چچا حضرت ابو طالب کے حوالے کیا۔ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو اپنی تمام اولاد پر ہر وقت اور ہر حال میں ترجیح دی۔

''جب آنحضرت نو برس کے تھے تو ابو طالب نے ملک شام کے سفر کا ارادہ کیا اور آنحضرت کو اپنے بچوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑا۔ ابو طالب اونٹ پر سوار ہونے کو تھے کہ آپؐ آکر ان سے چمٹ گئے اور چلائے کہ اے چچا! ہم کو اپنے ہمراہ لیتے چلیے۔ ابو طالب کا دل بھر آیا اور اپنے یتیم بھتیجے کو اپنے ہمراہ سفر تجارت میں لیتے گئے۔ قافلہ قریہ کفر، جہاں سے شہر بصرٰی جو شام کی سرحد پر ہے، چھ میل کے فاصلہ ہے، پہنچ کر نسطوری راہبوں کے معبد کے پاس قیام کیا۔ راہبوں نے آنحضرتؐ اور ابو طالب کی بڑی خاطر داری کی۔ ان میں سے ایک نے جس کا نام جرجیس کنیت ابو عداس اور لقب بحیرا راہب تھا، آپؐ کے چہرہ مبارک سے آثار عظمت وجلالت اور اعلٰی درجہ کے کمالات عقلی اور محامد اخلاق نمایاں دیکھ کر اور ان صفات سے موصوف پاکر جو اس نے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ میں پڑھی تھیں، پہچان لیا کہ یہی پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ خصوصاً جب اس نے لکہ ابر سر پر سایہ کیے ہوئے اور مہر نبوت شانوں کے درمیان دیکھیں تو اس کا گمان یقین سے تبدیل ہوگیا اور مہر نبوت پر بوسہ دیکر حضرت کی

نبوت کی تصدیق کی اور چلتے ہوئے ابو طالب سے کہا کہ اس لڑکے کا دین تمام عرب اور عجم میں پھیلے گا اور دنیا کے بہت سے حصے کا مالک ہوگا۔ اپنے ملک کا آزادہ کنندہ اور اپنے وطن کا نجات دہندہ ہوگا۔ اس کی بڑی حفاظت رکھنا۔ خوف خطر اور شر اعداء سے بچانا۔ کہیں یہودیوں کے ہاتھ نہ پڑ جانا۔ اس لئے شام کو جانا مناسب نہیں ہے۔ پس اس راہب کے مشورہ سے ابو طالب نے تمام اسباب بصریٰ میں نفع کے ساتھ فروخت کیا اور مکہ واپس آئے۔" (ایرونگ صفحہ ۲۴ تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۱۲۔)

اس واقعہ سے کئی باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔ ایک تو یہ توریت اور انجیل کے علاوہ دیگر کتب آسمانی میں بھی آنحضرت سے متعلق مختلف قسم کی پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ انہیں پیشین گوئیوں کی وجہ سے قوم یہود ہر عہد میں تاک لگائے بیٹھی تھی کہ نسل اسمٰعیلؑ سے آنے والا کب روئے زمین پر آتا ہے اور کس طرح اسے صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے۔ اسی دھوکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے اپنے خیال میں سولی پر چڑھادیا۔ عیسائی زندگی بھر حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے پر آنسو بہاتے رہے اور آج بھی Good Friday کا یادگار دن مناتے ہیں۔ لیکن یہودی ایسے بے وقوف نہ تھے۔ ان میں بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ نشانہ ہدف پر نہیں لگایا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ صدیاں گذر گئیں مگر تلاش جاری رہی۔ وہ آنحضرتؐ کی عظمت واہمیت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ انہیں بعد میں احساس ہوا کہ جن کی تلاش تھی وہ حضرت عیسیٰ نہیں تھے۔ اس لئے کہ جب حضرت عیسیٰ پر آئی ہوئی وحی الٰہی کے کلمات بعد میں ان کے حوارین نے یکجا کئے تو ان سے انہیں علم ہوا کہ جس ہستی کی انہیں تلاش ہے اس کی نشاندہی خود حضرت عیسیٰ نے فرمادی ہے جسے قرآن مجید اس طرح دہراتا ہے۔

قال عیسیٰ بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقالما بین یدی من التورۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ (الصف آیت

(۹۴۶

ترجمہ: عیسیٰ بن مریم نے فرمایا، اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوں، توریت میں سے جو ہمارے سامنے موجود ہے، اس کی تصدیق کرنیوالا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے۔

یہودیوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا تو پھر مستقبل کی تیاری میں لگ گئے۔ ہر طرف اپنا جال پھیلا دیا۔ ان تمام علاقوں پر کڑی نگرانی رکھی۔ جہاں علم و دانش کا چرچا تھا۔ یونان و مصر روم جیسے حساس علاقوں میں اپنے اڈے قائم کرلئے شام کے علاقہ میں چپہ چپہ پر پھیل گئے۔ فلسطین کو تو اپنے قبضہ میں ہی کرلیا اس لئے کہ آنحضرتؐ کے آنے کی پیشین گوئی اسی سرزمین پر کی گئی تھی اور وہیں کے لوگ مخاطب تھے۔ عرب کی سرزمین حجاز کا تو انھیں تصور بھی نہیں تھا کہ وہاں بھی کوئی ہادی و رہبر آسکتا ہے۔ وہ دنیاوی اصول کے تحت سوچ رہے تھے کہ نبی یا رسول پڑھے لکھے اور مہذب لوگوں میں ہی پیدا ہوگا۔ بھلا حجاز میں کوئی کیونکر پیدا ہوسکتا ہے خصوصاً سرزمین مکہ پر بسے قبیلے تو ایسے گئے گذرے تھے کہ ان کی جہالت کی بنا پر کوئی اس طرف نظریں اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ اس لئے اطمینان تھا کہ وہاں کوئی رسول کیوں آنے لگا۔ اور جب آنحضرتؐ عالم وجود میں آئے تو اس وقت محمدؐ کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس لئے بھی کسی کو ان پر شک نہیں ہوا کہ یہی احمد ہیں۔ اور غضب یہ کہ اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے کفار قریش انھیں قبل اعلان رسالت ہر طرح سے محترم گردانتے اور صادق و امین سمجھتے تھے۔ اس طرح آنحضرتؐ چالیس سال کی عمر تک ان کے درمیان رہ کر بھی یہودیوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے نہ تو کسی سے تعلیم حاصل کی اور نہ وہاں کے شاعرانہ ماحول میں کبھی ایک شعر ہی کہا۔ بس ان کی نظر میں امی کے امی ہی رہ گئے۔

یثرب میں یہودی قدیم الایام سے بسے ہوئے تھے۔ مکہ کے مقابلہ میں یثرب یعنی مدینہ کا ماحول وہاں کی آب و ہوا و سرزمین کے اثرات سے شریفانہ تھا۔ قبائلی لڑائیاں بہت

کم ہوتی تھیں۔ کفار قریش جیسے شقی القلب لوگ نہ تھے۔ حق شناسی کی بھی صلاحیت تھی اور پڑھے لکھے بھی تھے۔ عیسائی بھی کافی تعداد میں رہتے تھے۔ لیکن حواریین کے جمع کردہ الگ الگ صحیفوں کی عبارتیں قرآن کی طرح ہو بہو نہ تھیں۔ بلکہ انجیل کا مفہوم جسے جن الفاظ میں یاد رہا اسے محفوظ کرلیا۔ اس لئے دین عیسوی میں یکسانیت نہ تھی۔ پھر یہودیوں نے انجیل کے ان مختلف نسخوں کو جس طرح غلط سانچوں میں ڈھالا اسکی وجہ سے بھی حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا کوئی ایک صحیح نقشہ نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سبھی بت پرست ہوگئے تھے جو دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ ایک اوس، دوسرے خزرج۔ لیکن یہودیوں میں دین موسیٰ کی عیسائیوں کے مقابلہ میں کچھ صحیح شناخت تھی۔ ان کی تعداد اچھی خاصی، خدا کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب کبھی عربوں اور یہودیوں میں جنگ ہوتی تو عربوں سے کہا کرتے تھے۔

''عنقریب خدا کا آخری نبی ظاہر ہوگا، ہم سب اسی کے دین پر ہوجائیں گے اور ہماری طاقت بہت زیادہ ہوجائے گی۔

آنحضرتؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے کی بات اس وقت اہل یثرب پر ظاہر ہوئی جب ۱۱ھ بعثت میں عمرۂ رجب کے موقع پر آنحضرت منیٰ کے پچھواڑے کھڑے تھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ آپ کی طرف آرہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کون ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا ''ہمارا تعلق قبیلۂ خزرج سے ہے جو یثرب میں ہے۔'' آنحضرتؐ نے سوال کیا کہ کیا تم لوگ یہودیوں کے دوستوں میں ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ''جی ہاں''

پیغمبرؐ اسلام نے ان لوگوں سے فرمایا'' کیا یہ ممکن ہے کہ ہم لوگ کچھ دیر آپس میں گفتگو کریں؟''

یہ سنتے ہیں وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ مرسل اعظمؐ نے گفتگو کے دوران ان لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا:

''خدا کی قسم یہ وہی پیغمبر ہے جس کے بارے میں یہودیوں نے اکثر اطلاع دی ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہوگا کہ ہم لوگ یہودیوں سے قبل ہی خدا پر ایمان لاتے ہوئے اس شخص کا دین قبول کرلیں۔''

چنانچہ ان لوگوں نے دین اسلام قبول کیا اور ایمان لائے۔ یہ چھ آدمی تھے۔ اور جب اپنے وطن یثرب پہنچے تو اپنے عزیزوں سے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ ہر گھر میں یہ خبر پھیل گئی اور دوسرے سال مزید سات آدمی مدینہ سے آکر مسلمان ہوئے۔ اس طرح ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی۔ یہودیوں کا زور ٹوٹا۔ لیکن آنحضرتؐ جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچ گئے تو یہودی منظم طریقہ پر اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔

'' اہل یثرب کا قاعدہ تھا کہ جب ان میں سے کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ منت مانتی کہ اگر میرا کوئی بچہ زندہ رہے گا تو اس کو یہودی بناؤں گی۔ مدینہ میں اس طریقہ سے انصار کے بہت سے بچے یہودی بنادئے گئے۔ جب ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کو ان کی حرکات کی وجہ سے جلا وطن کیا تو ان میں انصار کے وہ بچے بھی شامل تھے جو یہودی مذہب کے پیرو تھے۔ انصار نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے ان کو اس وقت یہودی بنایا تھا جب ہم ان کے دین کو اپنے دین سے بہتر سمجھتے تھے، مگر اب جبکہ اسلام کا آفتاب طلوع ہوچکا ہے اور تمام ادیان سے افضل دین ہمارے پاس ہے تو ہم اپنے بچوں کو یہودی نہ رہنے دیں گے اور انھیں اسلام پر مجبور کریں گے۔'' (الجہاد فی الاسلام)

مسلمان اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اور یہودی ان بچوں کو اپنے ہمراہ لے جانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور مسلمانوں کے خلاف اپنی تحریک کو تیز تر بناتے چلے گئے۔ رفتہ رفتہ تمام یہودی خیبر میں یکجا ہوتے چلے گئے۔ اور مسلمانوں سے جنگ کی تیاریاں کرتے

رہے۔ انھوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا حلیف کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ ۷ھ میں مسلمانوں سے زبردست جنگ ہوئی۔ پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ یہودی مارے گئے۔ اس کے بعد یہودیوں کا زور کچھ عرصے کے لئے کم ہوا۔ مگر وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار ہوکر اسلام دشمنی کے لئے آمادہ ہوگئے۔

آج اس واقعہ کو چودہ سو سال گذر چکے۔ اس طویل مدت میں یہودیوں نے کس کس طرح سے دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور کتنا نقصان پہنچایا، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی نہایت نا عاقبت اندیش ہے۔ جبکہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ اور کس طرح تمام کفار و مشرکین متحد ہوکر مسلمانوں کا استحصال کررہے ہیں۔ سب سے افسوسناک اور سنگین مسئلہ یہ ہے کہ کھلے دشمن سے تو انسان ہوشیاری برت سکتا ہے۔ مگر مار آستین سے بچنا مشکل ہے۔ اور وہ منافقین ہیں جنھوں نے اسلامی لبادہ اوڑھ لیا ہے اور خود کو مسلمان کہتے ہوئے کہیں وطنیت کا جال پھیلایا ہے، کہیں قومیت کا چکر چلایا ہے، کہیں اقلیت اکثریت کے ذریعہ تقسیم کیا ہے۔ کہیں مسلمان رشدی نام سے موسوم ہوکر مسلمانوں کو فریب دے رہے ہیں اور مسلمانوں میں مسلکی اختلاف پیدا کراتے رہتے ہیں بلکہ کئی نئے متبادل مسالک سامنے لاکر کھڑے کردیتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کی حالت زار پر رونا آتا ہے۔ نہ جانے ابھی اور کتنی مدت تک عالم اسلام یونہی بربادیوں اور تباہیوں سے دوچار ہوتا رہے گا، اور نہ جانے کب تک مسلمانوں کا انداز فکر داستانی بنا رہے گا۔

ع بر این عقل و دانش بباید گریست

❁❁❁

حدیث شناسی:

علامہ محمد رضا حکیمی

ایمان و معرفت کا تعلق

قرآن کی نظر میں:

۱۔ لیکن (اے رسول) ان میں سے جو لوگ علم (دین) میں بڑے مضبوط پایہ پر فائز ہیں وہ اور ایمان والے تو جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی ہے اور جو (کتاب) تم سے پہلے نازل ہوئی ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور خدا اور روز آخر کا یقین رکھتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو ہم عنقریب بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ (سورہ نساء آیت ۱۶۲)

۲۔ اور (اے رسول) جن لوگوں کو (ہماری بارگاہ سے) علم عطا کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے بالکل ٹھیک ہے اور سزا وار حمد (وثناء) غالب (خدا) کی راہ دکھاتا ہے۔ (سورہ السباء آیت ۶)

۳۔ اور (اس لئے بھی) تا کہ جن لوگوں کو (کتب سماوی) کا علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ یہ (وحی) بیشک تمہارے پروردگار کی طرف سے ٹھیک ٹھیک نازل ہوئی ہے۔ پھر (یہ خیال کر کے) اس پر وہ لوگ ایمان لائیں پھر ان کے دل خدا کے سامنے عاجزی کریں اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ان کو خدا سیدھی راہ تک پہونچا دیتا ہے۔ (سورہ الحج آیت ۵۴)

۴۔ (سچا) دین تو خدا کے نزدیک یقیناً (بس یہی) اسلام ہے اور اہل کتاب نے جو اس دین حق سے اختلاف کیا ہے تو محض آپس کی شرارت اور اصلی (امر) معلوم

ہو جانے کے بعد (ہی کیا ہے) اور جس شخص نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا وہ سمجھ لے کہ یقیناً خدا (اس سے) بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۸)

۵۔ یہ (قرآن) لوگوں (کی) ہدایت کے لئے دلیلوں کا مجموعہ ہے اور باتیں کرنے والے لوگوں کے لئے (از سرتاپا) ہدایت ورحمت ہے۔ (سورہ الجاثیہ آیت ۲۰)

۶۔ اور ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے حالانکہ ہم نے ان کے پاس (رسول کی معرفت) کتاب بھی بھیجدی جسے ہر طرح سمجھ بوجھ کے تفصیل وار بیان کردیا ہے (اور وہ) ایماندار لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت ۵۲)

۷۔ (اے رسول) تم تو اپنی آواز نہ مُردوں ہی کو سنا سکتے ہو اور نہ بہروں کو سنا سکتے ہو (خصوصاً) جب وہ پیٹھ پھیر کر چلے جائیں۔ اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے (پھیر کر) راہ مستقیم پر لا سکتے ہو۔ تم تو بس ان ہی لوگوں کو سنا (سمجھا) سکتے ہو جو ہماری آیتوں کو دل سے مانیں پھر یہی لوگ اسلام لانے والے ہیں۔ (سورہ روم آیت ۵۲۔۵۳)

۸۔ (اے رسول) کیا تم بہروں کو سنا سکتے ہو۔ یا اندھے کو اور اس شخص کو جو صریحی گمراہی میں پڑا ہو راستہ دکھا سکتے ہو (ہرگز نہیں) (سورہ زخرف آیت ۴۰)

۹۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ تمہاری زبانوں کی طرف کان لگائے رہتے ہیں تو کیا وہ تمہاری سن لیں گے (ہرگز نہیں) اگرچہ وہ کچھ سمجھ بھی نہ سکتے ہوں۔ تم کہیں بہروں کو کچھ سنا سکتے ہو اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو تمہاری طرف (ٹکٹکی باندھے) دیکھتے ہیں تو کیا وہ ایمان لائیں گے ہرگز نہیں انھیں کچھ نہ سوجھتا ہوتو تم اندھے کو راہ راست دکھا دو گے۔ (سورہ یونس آیت ۴۳۔۴۲)

حدیث کی نظر میں

۱۔ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ عقل کی مدد سے تمام اچھائیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اور جس کے پاس عقل نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ (تحف العقول ۴۴)

۲۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا۔ لوگوں پر خدا کی دو حجتیں ہیں ایک ظاہری حجت، دوسرے مخفی حجت۔ ظاہری پیغمبران کرام مرسلین اور آئمہ علیہم السلام ہیں اور مخفی حجت لوگوں کی عقلیں ہیں۔ (اصول کافی ۱۶/۱)

۳۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ ایمان کی دولت حسن یقین ہے۔ (غرر الحکم۔ ۳۱۵)

۴۔ مصحف ناطق حضرت امام صادقؑ کا ارشاد ہے۔ جو عقلمند ہوتا ہے دیندار ہوتا ہے۔ (اصول کافی ۱۱/۱)

۵۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ علم و دانائی ایمان و اعتقاد سے آباد ہوتی ہے۔ (اور انسان کو فائدہ پہنچاتی ہے) (نہج البلاغہ ۴۸۸۔ عبدہ۔ ۳۰۲/۱)

۶۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا بے شک سب سے پہلا علم اور اس کی بنیاد، اس کی طاقت اور اس کی عمارت جس کے بغیر کوئی چیز فائدہ بخش نہیں وہ عقل ہے جسے خداوند عالم نے لوگوں کے لئے زینت اور نور قرار دیا ہے۔ عقل ہی کے ذریعہ بندے اپنے خالق کو پہچانتے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ پیدا کئے گئے ہیں ان کے کاموں کی تدبیر اسی سے ہے۔۔۔ اور وہ اپنی عقل ہی سے جو کچھ کہ خلق کیا گیا ہے اس کے سلسلہ میں اور آسمان، زمین، چاند و سورج، دن و رات کے سلسلہ میں غور وفکر کرتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ وہ اس جیسی مخلوق کا کوئی نہ کوئی خالق یا مدبر ہے جو اس سے نہ کبھی جدا تھی اور نہ جدا ہوسکتی ہے۔ اور عقل ہی کے ذریعہ نیک و بد میں تمیز کی جاتی ہے اور بے شک نادانی میں تاریکی ہے اور علم میں نور ہے اور یہی عقل کے اوپر دلالت معلوم ہوتی ہے۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا لوگوں کے لئے صرف عقل کافی ہے انھیں اس کے علاوہ کسی دوسرے چیز کی ضرورت نہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا عقلمند خود اپنے عقل کی مدد سے، جسے خداوند عالم نے اس کے لئے سرمایہ زینت وہدایت قرار دیا ہے، جانتا ہے کہ خدا حق ہے اور وہی اس کا رب ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ خدا کس چیز کو پسند کرتا ہے اور کس چیز سے اسے

کراہیت ہے، وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کی جائے اسکی نافرمانی نہ کی جائے ، وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ اس کی عقل دینی جزئیات کو اس کے لئے روشن اور آشکار نہیں کرسکتی اور بغیر علم ودانش کے اس موضوع کے لازمی معلومات کو حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح اگر صرف علم کے وسیلے سے منزل تک نہیں پہنچا جاسکتا تو صرف عقل سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے عقلمند انسان پر علم ودانش کا حاصل کرنا واجب ہے۔ اور انسانی شخصیت کا استحکام بھی علم ودانش میں ہے۔ (اصول کافی ۱ / ۲۹)

۷۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ عقل پیغمبر حق ہے۔ (غرر الحکم ۱۵)

۸۔ حضرت امام حسینؑ کا ارشاد ہے عقل بغیر حق کی پیروی کے کمال حاصل نہیں کرتی۔ (بحار۔ ۷۸ / ۱۲۷)

۹۔ حضرت امام کاظمؑ نے فرمایا حق کے مقابلہ میں انکساری برتو تا کہ عقلمند ترین لوگوں میں گنے جاسکو۔ (اصول کافی۔ ۱ / ۱۶)

۱۰۔ حضرت امام کاظمؑ نے فرمایا اے ہشام جو اللہ کے بارے میں عقل نہیں رکھتا وہ خدا سے نہیں ڈرتا اور جسے خدا عقل نہیں دیتا اسکی معرفت متزلزل رہتی ہے اسے ایسی معرفت حاصل نہیں ہوتی جس سے وہ دیکھ سکے اور یا اس کی حقیقت کو مقلب میں محسوس کرے۔ (اصول کافی ۱ / ۱۸)

۱۱۔ حضرت امیر المومنینؑ کا قول ہے۔ کہ علم کا حاصل کرنا عبادت سے افضل ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (سورہ فاطر آیت ۲۸) بے شک صرف خدا کے عالم بندے ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔ (بحار ۱۹ / ۸۰)

۱۲۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ ایمان کی بنیاد علم ہے۔ (بحار ۱۹ / ۸۱)

۱۳۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسے ہی لوگ دل کے اندھے ہیں اور ہوا پرستوں کے شریک ہیں اور خود در ہدایت کی کنجی اور سقوط وتباہی کے در کا تالا ہیں۔ انھوں نے ایسا راستہ بہت اچھی طرح پالیا اور اس پر چل دئے۔ انھوں نے مفید مشغل کو مضبوطی سے

پکڑ لیا اور اس کی روشنی میں راہ ظلمات سے گذر گئے۔ وہ مضبوط ترین دستاویز تک پہنچ گئے اور خود کو مضبوطی اسی سے منسلک کر دیا ان کا یقین اس شخص کے مانند ہے جو سورج کی روشنی کو دیکھتا ہے جس شخص نے خود کو ایسا بنا دیا ہو اور اس نے تمام اہم اور اعلیٰ امور میں خدا کی اطاعت کے لئے اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا ہو، جو بھی کام اس کے سامنے آتا ہے اس کو بہت سلیقے سے انجام تک پہنچاتا ہے اور ہر فرع اور حکم کو اصل (دین) سے منطبق کرتا ہے وہ اندھیروں میں نور، مخفی چیزوں کو ظاہر کرنے والا، مبہمات کی کنجی، حلال مشکلات اور بیابانوں میں رہنما ہے، جب وہ گفتگو کرتا ہے تو حقیقت کی گرہیں کھول دیتا ہے اس کا سکوت سلامتی کی ضمانت ہے وہ خدا کے لئے اخلاص کا مظاہرہ کرتا ہے اور خدا بھی اسے مخلصین میں شمار کرتا ہے۔ (نہج البلاغہ ۲۱۰۔ عبدہ ۱/۱۶۶)

۱۴۔ حضرت صادق آل محمدؐ نے فرمایا لوگوں پر اللہ کی حجت نبی ہیں اور ہمارے درمیان، بندوں اور اللہ کے درمیان عقل حجت ہے۔ (اصول کافی ۱/۲۵)

۱۵۔ حضرت امام کاظمؑ نے فرمایا۔ خداوند عالم نے انبیاء و مرسلین کو اپنے بندوں کی طرف اس لئے مبعوث کیا تاکہ وہ حقائق کو اللہ کے طریقوں سے آشکار کرسکیں (یعنی اللہ کی معرفت پیدا کریں) جس نے بہترین طریقے سے اسے قبول کیا اس نے بہتر معرفت حاصل کی اور جو شخص بھی اللہ کے حکم کو بہتر طریقے سے جانتا ہے اس کی عقل بھی بہتر ہے اور جن لوگوں کی عقل کامل ہے، دنیا و آخرت میں ان کا درجہ بلند ہے۔ (اصول کافی ۱/۱۶)

۱۶۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا۔ عقل مومن کے لئے رہنما ہے۔ (اصول کافی ۱/۲۵)

عمل اور معرفت کا رابطہ

قرآن کی نظر میں:

۱۔ اور تم لوگوں سے تو نیکی کرنے کو کہتے ہیں اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب خدا کو (برابر) رٹا کرتے ہو تو تم کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ (سورہ بقرہ آیت ۴۴)

۲۔ اور جب تک تمہارے پاس موت آئے اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو۔(سورہ نحل آیت ۹۹)

حدیث کی نظر میں:

۱۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ میں ایسے علم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس علم کا کوئی فائدہ نہ ہو اور وہ علم ہے جو عمل سے مخلصانہ لگاؤ نہ رکھتا ہو اور یاد رکھو مختصر سا علم عمل کرنے والوں کے لئے بہت ہے اس لئے کہ وہ علم جسے انسان ایک لحہ میں حاصل کرلیتا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے پوری زندگی گذاردیتا ہے۔(بحار ۲/ ۳۲)

۲۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عالم کے جہالت کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل نہ کرے۔(غرر الحکم ۲۴۳)

۳۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا فقط جن چیزوں پر عمل کرنا چاہو اسی کو یاد کرو اس لئے کہ خداوند عالم علم پر عمل کرنے کے علاوہ کسی چیز سے فائدہ نہیں پہنچاتا۔علم پر عمل کرنا ہی نیک دانشوروں کا طریقہ ہے جبکہ نادان دانشور صرف علم کو نقل کرنے اور حفظ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔(عدۃ الداعی ص ۶۸۔)

۴۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا بغیر علم و معرفت کے کوئی بھی عمل قبول نہیں کیا جاتا اور علم و معرفت بغیر عمل کے ظاہر نہیں ہوتا اور جو شخص بھی علم و معرفت حاصل کرتا ہے وہی معرفت اسکے عمل پر دلالت کرتی ہے اور جو علم و معرفت نہیں حاصل کرپاتا وہ عمل بھی نہیں کرتا۔(تحف العقول ۲۱۵)

۵۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا۔ جو شخص بھی بغیر بصیرت اور باریک بینی کے عمل کرتا ہے وہ اس شخص جیسا ہے جو مختصر سا راستہ طے کرتا ہے یعنی جس قدر وہ حرکت اور تیزی دکھاتا ہے اتنا ہی وہ مقصد سے دور ہوتا جاتا ہے۔(اصول کافی ۱/ ۴۳)

۶۔ حضرت علی بن الحسینؑ نے فرمایا انجیل میں مکتوب ہے کہ اس علم کو طلب

نہ کرو جس پر عمل نہ کرسکو گرچہ ابھی تک جو کچھ تم نے جانا ہے سب پر عمل نہیں کیا ہے اس صورت میں جب کہ علم پر عمل نہیں ہوتا تو یہ خدا سے دوری کا سبب بنتا ہے۔(بحار ۲/۲۸)

۷۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا حق کے ساتھ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں میں بد ترین شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم ومعرفت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اسے پسند کرتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ لوگوں کو حیرت زدہ کرنے کی قوت وصلاحیت رکھتا ہو تو انھیں حیرت زدہ بھی کر دیتا ہے۔سورج کی روشنی کو اگر اندھا دیکھے تو اسے کیا فائدہ؟ اسی طرح اس عالم کا علم ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا...لہٰذا جھوٹے عالموں سے خود کو دور رکھو جس کے لباس گرم ہوتے ہیں اور جو گناہوں کو جھکا کر چلتے ہیں۔ اسی طرح اپنے گناہوں کو ڈھکے رکھتے ہیں کے لئے بالکل بھیڑیئے کی طرح اپنی نظروں کو نیچی کئے ہوئے ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ان کی گفتگو ان کے کردار کے مخالف ہوتی ہے یعنی کردار وگفتار کے درمیان مماثلت نہیں پائی جاتی ہے۔(تحف العقول ۳۷۵)

۸۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا مومن باقی رہنے والی چیزوں کی طرف راغب ہوتا ہے اور فنا ہونے والی چیزوں سے قناعت کئے رہتا ہے۔ بردباری کو علم سے ملا دیتا ہے اور علم کو عمل سے۔(بحار الانوار ۷۸/۲۶)

۹۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ شکر گزاروں کے علاوہ نعمت کو کوئی پہچانتا نہیں اور نعمت پر شکریہ سوائے صاحبان عرفان کے کوئی نہیں کرتا۔(بحار ۷۸/ ۳۷۸)

۱۰۔ مصحف ناطق حضرت امام صادقؑ نے اپنے والد بزرگوار کے حوالے سے فرمایا کہ رسول خدا کا ارشاد ہے جو بغیر علم کے عمل کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ اصلاح کرے تباہی کی طرف چلا جاتا ہے۔(تحف العقول ۳۹)

۱۱۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: روشن قلب اور باریک بین انسان اپنے کام کو اس وقت شروع کرتا ہے جب وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا یہ عمل کرنا منفعت بخش ہے یا

نقصاندہ؟ تا کہ اگر اسے فائدہ نظر آئے تو وہ آگے بڑھے اور اگر نقصان کا خطرہ ہو تو پیچھے رہ جائے۔ اس لئے کہ بغیر علم کے عمل کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے بغیر راہ معلوم کئے سفر طے کرنے والا یعنی جس قدر وہ اپنی اصل راہ سے دور ہوتا جاتا ہے اپنی منزل سے دور ہوتا جاتا ہے اور جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ اس شخص جیسا ہے جو روشن راستوں پر چل رہا ہے۔ لہٰذا روشن فکر انسان کو دیکھو وہ آگے بڑھ رہا ہے یا پیچھے آرہا ہے۔ (نہج البلاغہ ۲۸۱۔ ۲۸۰، عبدہ ۲۸۹/۱)

۱۲۔ حضرت امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے جو شخص بغیر علم کے کسی کام کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص ایسا ہے جس نے خود اپنی ناک کاٹ لی (یعنی اس نے اپنی ذات کو تکلیف ومشقت میں ڈالدیا ہے۔ (تحفہ العقول ۲۶۲)

۱۳۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص نتیجہ سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ جس چیز کا استعمال نہیں جانتا اس میں تاخیر کرتا ہے۔ (تحفہ العقول ۲۶۲)

۱۴۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا دو افراد ایسے ہیں جو خود کو اور دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں... ایک وہ عالم جو اصلاح کا ارادہ نہ رکھتا ہو اور ایک وہ اصلاح چاہنے والا جو علم اور عالم سے بے خبر ہو۔ (خصال ۲ / ۳۷)

۱۵۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کوئی جاہل ایسا نظر نہ آئے گا مگر یہ کہ یا وہ افراط کرتا نظر آئے گا یا تفریط۔ (نہج البلاغہ۔ ۱۱۶)

۱۶۔ حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا اے ابن مسعود جب کوئی کام کرو تو علم وعقل کے ساتھ کرو اور بغیر جانے سمجھے کسی کام کو کرنے سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا“۔ (سورہ نحل ۹۲۔)

اور تم لوگ اس عورت کے ایسے نہ ہو جاؤ جو اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالے۔

۱۷۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے پست ترین علم وہ ہے جو صرف زبان تک محدود رہے (اس پر عمل نہ کیا جائے) اور افضل ترین علم وہ ہے جو جسم کے اعضاء و جوارح سے آشکار۔ (یعنی اس پر عمل کیا جائے) (نہج البلاغہ ۱۱۲۷)

معرفت کے ساتھ عمل کی قدروقیمت

حدیث کی نظر میں:

۱۔ حضرت رسول اکرمؐ کی حدیث زید بن علی اپنے آباء کرام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا غوروفکر کے بعد دورکعت نماز رات بھر کے قیام سے بہتر ہے۔ (ثواب الاعمال ۶۸۔)

۲۔حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا اے ہشام عالم کا مختصر سا عمل مقبول ہے اور اس کا دوہرا ثواب ہے اور جاہلوں وہوں پرستوں کا کثیر عمل بھی قابل قبول نہیں۔(اصول کافی ۱/ ۱۲)

۳۔حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا تم جس کی عبادت کرتے ہو اس کی معرفت اپنے قلب میں بٹھا لو یہاں تک کہ تمہارے حرکات وسکنات اس کی گواہی دیں کہ تم اس کی عبادت کررہے ہو جس کی تم نے معرفت حاصل کی ہے، یہ تمہارے لئے مفید اور فائدہ بخش ہوگا۔ (تحف العقول ۱۶۰)

۴۔حضرت علیؑ نے سنا کہ حروریان (خوارج) رات بھر نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا یقین کی حالت میں سونا حالت شک میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے (نہج البلاغہ۔ ۱۱۳۰)

۵۔حضرت امام صادق نے فرمایا یاد رکھو خدا کے نزدیک یقین کے ساتھ ادا کیا گیا مختصر سا عمل اس کثیر عمل سے زیادہ بہتر ہے جس میں یقین شامل نہ ہو۔(تحف العقول ۲۶۴)

۶۔حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک راوی نے ایک شخص کے دین عبادت اور

اس کے فضل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے؟ میں نے جواب دیا مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم آپ نے فرمایا جزاء عقل کے اندازہ کے مطابق ہے۔

۷۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ بغیر علم کے عبادت کرنے والا کولہو کے گدھے جیسا ہے جو ایک ہی جگہ گھومتا رہتا ہے اور اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ (غرر الحکم ۵۳)

۸۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا بے شک انسان نماز ادا کرتا ہے جبکہ اس کی ان نمازوں میں سے ۶ میں سے ایک یا دس میں سے ایک لکھی جاتی ہے۔ انسان کی بس وہ نماز لکھی جاتی ہے۔ جو اس نے عقل وفکر کے ساتھ پڑھی ہے۔ (بحار ۸۴/ ۲۴۹)

فکر کی نشر واشاعت اور اس کے طور طریقے

مناسب راہیں تلاش کرنا:

قرآن کی نظر میں:

۱۔ (اے رسول) تم (ان سے) مثال کے طور پر ایک گاؤں (انطاکیہ) والوں کا قصہ بیان کرو کہ جب وہاں (ہمارے) پیغمبر آئے اس طرح کہ جب ہم نے ان کے پاس دو (پیغمبر یوحنا اور یونس) بھیجے تو ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا تب ہم نے ایک تیسرے (پیغمبر شمعون) سے (ان دونوں کو) مدد دی تو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس خدا کے بھیجے ہوئے (آئے) ہیں وہ لوگ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو بس ہمارے ہی آدمی ہو اور خدا نے کچھ نازل نہیں کیا ہے تم سب کے سب بالکل جھوٹے ہو۔ تب ان پیغمبروں نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم یقیناً اسی کے بھیجے ہوئے (آئے) ہیں۔ اور اتنے میں شہر کے اس سرے سے ایک شخص (حبیب نجار) دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم (ان) پیغمبروں کا کہنا مانو تو ایسے لوگوں کا (ضروری) کہنا مانو جو تم سے تبلیغ رسالت کی کچھ مزدوری نہیں مانگتے اور وہ لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔ اور مجھے کیا۔ (خبط) ہوا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اس کی عبادت

نہ کروں حالانکہ تم سب کے سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔(سورہ یٰسین آیت ۱۴۔۱۳۔۲۲۔۲۰)

۲۔اور اس میں بھی شک نہیں کہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی اور ہم ان (حالت) سے خوب واقف تھے جب انہوں نے اپنے منہ بولے) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیں جن کی تم لوگوں مجاوری کرتے ہو آخر کیا (بلا) ہیں وہ لوگ بولے (اور تو کچھ نہیں جانتے مگر) اپنے بڑے بوڑھوں کو ان ہی کی پرستش کرتے دیکھا ہے ابراہیم نے کہا کہ یقیناً تم بھی اور تمہارے بزرگ بھی کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے وہ لوگ کہنے لگے تو کیا تم ہمارے پاس حق بات لیکر آئے ہو یا تم بھی (یوں ہی) دل لگی کرتے ہو ابراہیم نے کہا (مذاق نہیں ٹھیک کہتا ہوں کہ تمہارے معبود بت نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمان وزمین کا مالک ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور میں خود اس بات کا تمہارے سامنے گواہ ہوں۔ اور (اپنے جی میں کہا)خدا کی قسم تمہارے پیٹھ پھیرنے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا۔(سورہ انبیاء ۵۷۔۵۱)

ب۔ اقدام کرنا اور اس پر قائم رہنا

قرآن کی نظر میں:

۱۔ (اے رسول) تم خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ اورتم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے ذمہ دار نہیں ہو اور ایماندا روں کو (جہاد کی) ترغیب دو... (سورہ نساء ۸۴)

۲۔ چنانچہ ابراہیم نے ان بتوں کو)توڑ کر چکنا چور کرڈالا مگر ان کے بڑے بت کو (اس لئے رہنے دیا) تا کہ یہ لوگ عید سے پلٹ کر) اس کی طرف رجوع کریں (جب کفار کو معلوم ہوا) تو کہنے لگے جس نے یہ گستاخی ہمارے معبودوں کے ساتھ کی ہے اس نے یقیناً بڑا ظلم کیا (کچھ لوگ) کہنے لگے ہم نے ایک نوجوان کو جس کولوگ ابراہیم کہتے ہیں ان بتوں کا

(بری طرح) ذکر کرتے سنا تھا۔ (سورہ انبیا ء ۶۰۔۵۸)

تبلیغ کے قوانین:

قرآن کی نظر میں:

۱۔ (اے رسول) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلاؤ اور بحث ومباحثہ کرو بھی تو اس طریقہ سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو۔ (سورہ نحل آیت ۱۲۵)

کامیاب تبلیغ:

قرآن کی نظر میں:

۱۔ اور ہم نے جب کبھی کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کی قوم کی زبان میں باتیں کرتا ہوا۔ تا کہ اس کے سامنے ہمارے احکام بیان کر سکے۔ (سورہ ابراہیم ۴)

۲۔ (یہ قرآن) جسے روح الامین (جبرئیل) صاف عربی زبان میں لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں تا کہ تم بھی (اور پیغمبروں کی طرح لوگوں کو عذاب خدا سے) ڈراؤ (سورہ شعرا ۱۹۵۔۱۹۳)

۵۔ تبلیغ کی کامیابی میں مبلغ کا کردار اور اس کا نقش

قرآن کی نظر میں:

۱۔ اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے۔ جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور اچھے اچھے کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً (خدا کے) (فرماں بردار بندوں میں ہوں۔ (سورہ فصلت ۳۳)

۲۔ اے ایماندارو تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے ، خدا کے

نزدیک یہ غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کیا نہیں کرتے، خدا کے نزدیک یہ غضب کی بات ہے۔ (سورہ صف ۳-۲)

۳۔ حدیث کی نظر میں:

ا۔حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا اے ابوذر۔ (بغیر عمل کے دعوت (تبلیغ) کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے بغیر کمان کے تیر اندازی کرنے والا۔ (مکارم الاخلاق، ۵۴۸)

۲۔حضرت صادق آل محمد نے فرمایا۔ لوگوں میں گفتار سے نہیں بلکہ کردار سے تبلیغ کرو تا کہ وہ تمہیں دیکھ سکیں کہ تم کو صاحب ورع، کوشش کرنے والا، نماز گزار، عبادت کرنے والا اور نیک صفت ہو۔ اس لئے کہ یہی واقعی تبلیغ ہے۔ (وسائل، ۱۱/ ۱۹۴)

۳۔حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جب عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحت لوگوں کے دلوں سے اس طرح پھسل جاتی ہے جس طرح پہاڑ سے بارش کا پانی۔ (منیۃ المرید/ ۴۸)

عمل کی اہمیت اور حقیقت

قرآن کریم

ا۔خداوند عالم قرآن کریم میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

انسان کے لئے کچھ بھی نہیں ہے سوائے اتنا کہ جتنی اس نے کوشش کی ہو اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چل کر دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ (سورہ انجم آیت ۴۱-۳۹)

۲۔پس جو شخص مومن ہونے کی حالت میں نیکیاں کرے گا اس کی کوشش کی ناقدری نہ کی جائے گی جس حال میں کہ ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں۔ (سورہ انبیاء آیت ۹۴)

۳۔ اور جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ

صاحب ایمان بھی ہو، ان سب کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(سورہ نساء آیت ۱۲۴)

۴۔ جو شخص مومن ہونے کی حالت میں کوئی نیکی کرے گا تو اس کو کسی کمی اور نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔(سورہ طہٰ آیت ۱۱۲)

۵۔ اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو تم یہ کہدو کہ میرا کیا میرے لئے اور تمہارا کیا تمہارے لئے جو کچھ نہیں کرتا ہوں اس سے تم بری ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں بری ہوں۔ (سورہ یونس آیت ۴۱)

۶۔ پس (اے رسول) تم اس کی طرف ان کو بلاتے جاؤ اور جیسا تمکو حکم دیا گیا ہے ویسے ہی قائم رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور یہ کہدو کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدالت کروں اللہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اور اللہ (قیامت کے دن) ہم سب کو جمع کرے گا اور اس کی طرف (سب کی) بازگشت ہوگی۔(سورہ شوریٰ آیت ۱۵)

۷۔ ہر ایک کے لئے درجے اسی کے بموجب ہیں جو کچھ انہوں نے کیا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے تمہارا پروردگار بے خبر نہیں ہے۔(سورہ انعام ایک ۱۳۲)

۸۔ جو کافر ہوگیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر رہے گا اور جس نے کوئی نیکی کی تو وہ اپنی ذات کے لئے (بھتری کا) سامان کررہے ہیں۔(سورہ روم آیت ۴۴)

۹۔ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو بلکہ حقیقی نیکی اسی کی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور انبیاء پر ایمان لائے اور محبت خدا میں مال رشتہ داروں کو اور یتیموں اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنیں (یعنی غلام) آزاد کرنے میں دے اور نماز پڑھے اور زکوۃ ادا کرے اور

جب معاہدہ کرلیں تو اپنے عہد کے پورا کرنے والے ہوں اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کی سختی کے وقت صبر کرنے والے ہوں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ بولا اور یہی متقی ہیں۔(سورہ بقرہ آیت ۱۷۷)

۱۰۔ جو شخص کوئی بھی بدی کرے گا تو اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جو شخص مرد ہو یا عورت کوئی نیک عمل اس حال میں بجا لائے گا کہ وہ مومن بھی ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں ان کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔(سورہ مومن آیت۔ ۴۰)

اس مقام پر عمل اور اس کی اہمیت اور اسکی حقیقت سے ہماری مراد وہی ہے جو شریعت اسلامی میں مختلف تعبیروں کے ساتھ وارد ہوا ہے یعنی عمل پر آمادہ کرنا اور ہر عمل کو اس زندگی میں انسانی اصول سے قرار دینا اور وہ اہم ترین اصول کہ جس کے ثابت کرنے کے لئے دین نے دعوت دی ہے بہ معنی اسلامی تعلیمات کے نظام سے بخوبی سمجھے جاسکتے ہیں اس طرح عمل کی نگہداشت اس پر عمل اس کی بنیادی اہمیت اس کی حکمت سازی اور حیات بخشی انسان کا خود اپنی ذات سے خدا اور معاشرہ سے تعلق اور عالمی تاریخ سے اس کا رشتہ ظاہر وآشکار ہوتا ہے قارئین حضرات اس سلسلے میں آنے والی آیات و احادیث کو ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

حدیث

آنحضرت (ص) نے ارشاد فرمایا تم لوگ آج کردار (وعمل) کی منزل میں ہو حساب کی منزل میں نہیں ہو اور کل (روز آخرت) حساب کی منزل میں ہوں گے عمل کی منزل میں نہ ہوگے۔

۲۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا آج عمل کا دن ہے حساب کا نہیں اور کل حساب کا دن ہوگا عمل کا نہیں۔ ۲؎

۳۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کردار خزانہ ہے اور دنیا کان (یعنی جس مقام سے خزانہ باہر نکالا جاتا ہے۔) ۳؎

۴۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا میں اس گروہ سے ہوں کہ جس پر سرزنش کرنے والوں کی سرزمین خدا سے متعلق امور (یعنی فرائض دینی) میں اثر نہیں کرتی ان کی پیشانیاں سچے (لوگوں) کی پیشانیاں ہیں ان کی گفتگو نیک لوگوں کی گفتگو ہے وہ (عابد) شب زندہ دار ہیں اور دن کو عدل گستری کرتے ہیں تکبر نہیں کرتے بزرگی تلاش نہیں کرتے اور خیانت نہیں کرتے نہ ہی فساد کرتے ہیں ان کے دل بہشت میں ہیں اور جسم کام اور کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ ۴

۵۔ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جان لو کہ آج کا دن گھوڑوں کو گھڑدوڑ کے لئے آمادہ کرنے کا دن ہے اور کل مقابلہ کرنے کا دن ہے۔ جان لو کہ تم امید اور آرزو دونوں کے درمیان زندگی گذار رہے ہو جس کا انجام اور اختتام موت ہے لہٰذا جو شخص امید کے دنوں میں موت کا وقت پہونچنے سے قبل عمل کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہو سکا عمل اس کے لئے مفید ثابت ہوگا اور موت اسے نقصان نہ پہونچا سکے گی۔ ۵

۶۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا حق (بات) کہو تا کہ حق گوئی کے ساتھ پہچانے جاؤ اور حق پر عمل کرو تا کہ اہل حق میں سے قرار پاؤ۔ ۶

۷۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا ہر وقت کام کرتے رہو۔ ۷

۸۔ حضرت علیؑ نے فرمایا گزرا ہوا کل تمہارے ہاتھوں سے چلا گیا آنے والا کل مشکوک ہے (یعنی آئے کہ نہ آئے) اور آج کا دن غنیمت ہے لہٰذا اس ممکن فرصت سے استفادہ کرو (اس میں کام کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔ ۸

۹۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ایک شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے پیغمبرؐ میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اسلام پر آپ کی بیعت کروں۔ آنحضرتؐ نے (آزمائش کرتے ہوئے) فرمایا تم اس لئے بیعت کرتے ہو کر اپنے باپ کو قتل کرو؟ اس شخص نے اپنا ہاتھ ہٹایا اور چلا گیا پھر واپس آیا عرض کی

ہاں (میں اس امر پر بیعت کرتا ہوں) حضرتؑ نے اس سے فرمایا مومن کا یقین اسکے عمل میں نظر آتا ہے اور کافر کے انکار اس کے عمل سے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ انہوں نے اس مقصد کو صحیح حاصل نہیں کیا تم (لوگ) کافروں اور منافقوں کی بے اعتقادی کو (اور ان کی بد اعمالی کو) انہیں کے غلط اعمال سے حاصل کر سکتے ہو۔

۱۰۔ امام رضاؑ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرمائی کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے اس کو اپنے ہاتھوں کے عمل کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔۹

۱۱۔حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا مومن اپنے عمل سے مومن ہوتا ہے (نہ کہ اپنی گفتگو اور ادعا سے)۔۱۰

۱۲۔عمل صاحب یقین شخص کا درست ہوتا ہے۔۱۱

۱۳۔حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کسی انسان کا ساتھی اس کے عمل کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ ۱۲

۱۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہماری ولایت تک عمل کے بغیر نہیں پہونچا جاسکتا۔ ۱۳

۱۵۔حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا میں تم سے حق کی بات بیان کرتا ہوں کہ حکمت کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ لوگ ہیں جو سچی گفتگو کرتے ہیں اور اپنے کردار سے اس کی تصدیق کرتے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو بات تو صحیح کرتے ہیں مگر اپنے کردار سے اسے تباہ کردیتے ہیں ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے صاحبان کردار علماء کے لئے مبارک ہو اور فقط علماء گفتار کے لئے نامبارک ہو۔

۱۶۔امام کاظمؑ نے ہشام سے فرمایا اے ہشام تمام لوگ ستاروں کو دیکھتے ہیں لیکن کوئی تو ان کے ذریعہ راہ حاصل کرسکتا ہے گذرگاہوں اور منزلوں سے آشنا ہوسکتا ہے تم بھی حکمت پڑھتے ہو اور کوئی شخص تم سے اس حکمت کے ذریعہ راہ حاصل کرے کہ اس پر عمل کرے۔ ۱۴

۱۷۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا۔ علم تمہاری راہنمائی کرتا ہے لیکن عمل تمہیں ھدف تک پہونچاتا ہے۔ ۱۵؎

ایمان وعمل سے وابستگی: قرآنی ارشادات

۱۔ وقت عصر کی قسم انسان ضرور نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو حق کی پیروی کی تاکید اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے۔ ۱۶؎

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ساری مخلوق سے بہتر وہی لوگ ہیں۔ ۱۷؎

۳۔ بیشک ہم نے انسان کو بہت ہی اچھے کینڈے پر بنایا پھر ہم نے اسے پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیکیاں کرتے رہے کہ ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔ ۱۸؎

۴۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے ان کی دعا (خدا) قبول فرماتا ہے اور ان کے حق میں اپنا فضل وکرم بڑھا دیتا ہے۔ ۱۹؎

۵۔ آپ کہہ دیجئے سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک ہی بات کی تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو ایک ایک کرکے خدا کے (کام کے لئے) کھڑے ہو جاؤ۔ ۲۰؎

۶۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور جو کچھ محمد (مصطفیٰ) پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اس پر بھی ایمان لائے ان سے ان کی خرابیاں دور فرما دیں اور ان کی حالت درست کر دی۔ ۲۱؎

۷۔ (غرض موسیٰؑ کی لاٹھی نے سب ہڑپ کر لیا) یہ دیکھتے ہی وہ سب جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ (سورہ طہٰ آیت۔ ۷۰)

۸۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں ہیں کہ وہ ہمارے حضور میں تمہارا درجہ قریب کر دیں ہاں جو شخص ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ایسے ہی تو لوگ وہ ہیں کہ جو

عمل (بھی) کریں گے اس کا دو چند معاوضہ ان کے لئے (مہیا) ہے اور وہی بالا خانوں میں امن سے رہیں گے۔ ۲۲؎

حدیث

۱۔ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان تمام عمل ہے ۲۳؎ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ایمان عمل کے سوا کچھ نہیں۔عمل ایمان کا ایک حصہ ہے اور ایمان عمل کے بغیر قائم نہیں رہتا۔

۲۔ ابو عمر زبیری بیان کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی اے صاحب عقل آپ مجھے بتلائیں کہ خدا کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا وہی جس کے علاوہ خداوند عالم کسی چیز کو قبول نہیں کرتا اس نے عرض کی؟ وہ کیا ہے فرمایا خدا پر ایمان لانا۔ کیونکہ اسکے علاوہ کوئی دوسرا عبادت کا حقدار نہیں (یہی تمام اعمال سے اعلیٰ و افضل ہے) اور انسان کے لئے سب سے زیادہ مفید ہے۔ابو عمر زبیری نے عرض کی کیا آپ کا ارشاد نہیں ہے کہ ایمان قرار کے ساتھ کردار کا نام ہے یا فقط قرار بلا کردار؟ امامؑ نے ارشاد فرمایا ایمان مکمل عمل اور کردار ہے اور (صرف) قرار (یعنی زبان سے قبول کرنا) اسی کردار (وعمل) کا ایک حصہ ہے خداوند عالم نے اسی طرح قرار دیا ہے اور دینی کتاب (قرآن) میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس کا فروغ آشکار اور اس کی دلیل پائیدار ہے کتاب خدا اس کی گواہی دیتی ہے اور اس کو بیان کرتی ہے ابو عمر زبیری نے عرض کی میں آپ پر قربان ہو جاؤں اس ارشاد کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں تاکہ میں سمجھوں امامؑ نے ارشاد فرمایا۔ ایمان کی حالتیں درجات طبقات اور مراتب ہیں ان میں سے ایک قسم مکمل اور ایک قسم ناقص ہے جس کا نقص واضح ہے ایک قسم ایسی ہے کہ جس میں رجحان زیادہ ہے اس نے عرض کی کیا ایمان ہی مکمل اور ناقص اور زیادتی رکھتا ہے؟ امام نے ارشاد فرمایا ہاں ایسا ہی ہے اس نے فرمایا اسلئے کہ خداوند عالم نے فرزند آدم کے اعضاء پر ایمان واجب قرار دیا ہے اور ایمان

کو ان پر تقسیم کردیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک قسم قرار دی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی اعضاء وجوارح ایسا نہیں کہ جس کے لئے ایمان قرار نہ دیا گیا ہو جو دوسرے اعضا کا غیر ہے انہیں (اعضا) میں سے انسان کا قلب ہے جس سے وہ غور وفکر کرتا ہے اور سمجھتا ہے اور وہ اس کے بدن کا بادشاہ ہے اور انہیں اعضا سے اس کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور کان ہیں جن سے سنتا ہے اور اس کے ہاتھ ہیں جن سے وہ اپنی طاقت کا استعمال کرتا ہے اور پیروں کے ذریعہ راستہ چلتا ہے اور اس کے پوشیدہ اعضاء جس کے ذریعہ ہمبستری کی لذت حاصل کرتا ہے اور زبان سے گفتگو کرتا ہے اور سر جس اس کا چہرہ ہے پس کوئی بھی عضو نہیں کہ جس کو ایمان پر مامور نہ کیا گیا ہو سوائے اس کے کہ دیگر اعضاء اس کے مامور ہیں اور یہی تقدیر کی بنیاد پر ہے جس کو خداوند عالم نے مقرر فرمایا ہے اور قرآن اسکے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اسکی گواہی دیتا ہے۔

اس طرح خداوند عالم نے جو چیز قلب پر واجب فرمائی ہے اسکے علاوہ کانوں پر واجب کیا ہے اور جو چیز کانوں پر واجب فرمائی اسکے علاوہ آنکھوں پر واجب فرمائی اور جو چیز آنکھوں پر واجب فرمائی اس کے علاوہ زبان پر واجب فرمایا اور جو چیز زبان پر واجب فرمائی اس کے علاوہ دونوں ہاتھوں پر واجب فرمایا اور جو چیز ہاتھوں پر قرار دی اسکے علاوہ دونوں پیروں پر واجب فرماتا ہے اور جو چیز پیروں پر واجب فرمائی اس کے علاوہ شرمگاہ پر واجب قرار دیا اور جو چیز شرمگاہ پر واجب قرار دی اس کے علاوہ چہرہ پر واجب قرار دیا۔

دل کا ایمان وعمل

جس ایمان کو خداوند عالم نے قلب پر واجب قرار دیا ہے وہ اس امر کا اعتراف اور معرفت وشناخت اور تسلیم ورضا کہ خدا کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور عبادت کے لائق صرف ایک ہی ہے اس کا نہ کوئی ہمسر ہے نہ فرزند اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے بندے اور اس کے رسول ہیں اور تمام پیغمبروں

اور (آسمانی) کتابوں کا اقرار کرنا جو خدا کی جانب سے نازل ہوئیں یہی وہ (ایمان) ہے جس کی معرفت اور اعتراف کرنا قلب پر واجب قرار دیا ہے اور قلب کا کام یہی ہے جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ۲۴

ترجمہ (جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اور اسی طرح اس کا ارشاد ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۲۵

یعنی آگاہ ہوجاؤ کہ اطمینان یاد خدا سے حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ الذین قالوا آمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم ۲۶

ترجمہ: یہ صرف زبان سے ایمان کا نام لیتے ہیں اور ان کے دل مومن نہیں ہیں۔

یا ارشاد ہوتا ہے۔ (ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفر ولمن یشاء ویعذب من یشاء۔) ۲۷

یعنی تم اپنے دل کی باتوں کا اظہار کرو یا ان پر پردہ ڈالو وہ سب کا محاسبہ کرے گا وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کریگا۔

مذکورہ تمام آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس چیز (ایمان) کو خداوند عالم نے قلب پر واجب قرار دیا ہے یعنی اقرار اور معرفت حاصل کرنا اور یہی حقیقت ایمان ہے۔

زبان کا ایمان وعمل

خداوند عالم نے زبان پر واجب قرار دیا ہے کہ جن چیزوں کا قلب اعتقاد اور اعتراف کرتا ہے اس کا اقرار اور اظہار کرے جیسا کہ خود اسنے ارشاد فرمایا ہے۔

قولوا للہ حسنا۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۲۸۴)

لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے (وقولوا آمنا بما انزل الینا وانزل الیکم والیھنا

والھکم واحد ونحن مسلمون۔۲۸

یعنی اور یہ کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری اور تمہاری دونوں کی طرف نازل ہوا ہے اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے اور ہم سب اسی کے اطاعت گذار ہیں۔ یہی وہ عمل ہے جس کو خداوند عالم نے زبان پر واجب قرار دیا ہے اور یہی زبان کا کام ہے۔

کان کا ایمان اور عمل

کانوں کا واجب کام یہ ہے کہ جن چیزوں کو خدا نے سننا حرام قرار دیا ہے ان کے سننے سے پرہیز کیا جائے اور جن چیزوں سے اس نے نہی فرمائی ہے اور جن چیزوں کا سننا خدا کے غیظ وغضب کا باعث ہے ان سے دوری اختیار کی جائے چنانچہ اس نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

وقد نزل علیکم فی الکتاب اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزبھا فلا تقصدوا منھم حتی نحوضوا فی حدیث غیرہ ۔۲۹

اور اس نے کتاب میں یہ بات نازل کردی ہے کہ جب آیات الٰہی کے بارے میں یہ سنو کہ انکار اور استہزا ہو رہا ہے تو خبردار ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہو جائیں۔

پھر خداوند عالم نے اس چیز کو مستثنٰی کردیا ہے جو بھولے سے انجام دے دی جائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

(واما ینبئک الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔۳۰

اور اگر تم کو شیطان غافل کردے تو یاد آنے کے بعد پھر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔"فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولو الالباب"

یعنی آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی

ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبان عقل ہیں اسی طرح ارشاد ہوتا ہے ”قد افلح المومنون الذین فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم لذکوٰۃ فاعلون“۔ ۴۱

یعنی یقیناً صاحبان ایمان کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں گڑگڑانے والے ہیں اور لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

یا ارشاد ہوتا ہے ”واذا سمعو اللغو اعرضوا عنہ وقالوالنا اعمالنا ولکم اعمالکم“ ۴۲

یعنی اور جب لغویات سنتے ہیں تو کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔ ”واذا مروابااللغو مرواکراما“ ۴۲

یعنی اور جب لغو کاموں کے قریب سے گذرتے ہیں تو بزرگانہ انداز سے گذر جاتے ہیں۔

درحقیقت مذکورہ امور کان سے متعلق ہیں لہذا یہی کان کا عمل ہے اور یہی اس کا ایمان ہے۔

آنکھوں کا ایمان و عمل

آنکھوں کا عمل یہ ہے کہ جن چیزوں پر خداوند عالم نے نظر کرنا حرام قرار دیا ہے اس کو نہ دیکھا جائے اور جن چیزوں پر نظر کرنے سے خداوند عالم نے نہی فرمائی ہے اور حلال نہیں ہے ان سے دوری اختیار کی جائے۔ یہی آنکھوں کا عمل ہے اور ان کا ایمان ہے جیسا کہ خود اس نے ارشاد فرمایا ہے ”قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فرجھم۔ ۴۳

یعنی اور پیغمبر آپ مومنین سے کہدیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی

شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اس طرح خداوند عالم نے نہی فرمائی کہ مرد اپنے بھائی کی شرمگاہ پر نظر نہ کرے اور خود اپنی شرمگاہ کو بھی پوشیدہ کرے کہ دوسرے لوگ اسے نہ دیکھیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ''وقل للمومنات یغضضن من ابصارهن ویحفظن فروجهن'' ۔ ۴ے

ترجمہ: اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔

اور خواتین بھی دیگر خواتین کی شرمگاہوں پر نظر نہ کریں اور خود بھی ان کو پوشیدہ رکھیں تاکہ دوسروں کی نظر اس پر نہ پڑے (زبیری بیان کرتا ہے کہ اس مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس طرح اضافہ فرمایا کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں شرمگاہوں کی حفاظت کے متعلق وارد ہوا ہے حفاظت سے مراد زنا ہے سوائے اس آیت کے کہ یہاں پر نظر کرنا مقصود ہے) اور جو کچھ خداوند عالم نے قلب وزبان اور کانوں پر واجب قرار دیا ہے ایک دوسری آیت میں باہم اس طرح ارشاد فرمایا ''وماکنتم تستترون ان یشهد علیکم سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم''

یعنی اور تم اس بات سے پردہ پوشی نہیں کرتے تھے کہ کہیں تمہارے خلاف تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور گوشت پوست گواہی نہ دیدیں۔

آیت میں جلد سے مقصود شرمگاہ اور ران ہیں اور پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ''ولا تقف مالیس لک به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسؤلا'' ۔ ۵ے

یعنی اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت جانا کہ روز قیامت سماعت بصارت اور قوت قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

یہی ہے جس کو خداوند عالم نے دونوں آنکھوں پر واجب قرار دیا ہے یعنی جس چیز کو

خدا نے حرام قرار دیا ہے اس پر نظر نہ کرنا یہی آنکھوں کا عمل اور انکا ایمان ہے۔

ہاتھوں کا ایمان وعمل

ہاتھوں کا واجب کام یہ ہے کہ جس چیز کو خدا نے حرام قرار دیا ہے اسے انجام نہ دے۔ ہاتھوں کو صدقہ دینے صلہ رحم کرنے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے اور نماز کے لئے جسم کو پاک کرنے کے لئے قرار دیا ہے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے ''یاایھا الذین آمنوا اذاقمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین۔'' ۶؎

یعنی ایمان والو جب نماز کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے سر اور گٹے تک پیروں کا مسح کرو۔

اور ارشاد فرماتا ہے۔'' فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتم فشد الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔'' ۷؎

یعنی بس جب کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں اڑادو یہاں تک کہ جب زخموں سے چور ہو جائیں تو ان کی مشکیں باندھ لو پس اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے لیا جائے یہاں تک کہ جنگ سے ہتھیار رکھدے۔

یہی عمل ہے جس کو خداوند عالم نے ہاتھوں پر واجب قرار دیا ہے اس لئے کہ جہاد ہمارے ہاتھ سے ہوتا ہے۔

پیروں کا ایمان وعمل

پیروں پر واجب ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی میں گامزن نہ ہوں اور ان کا فریضہ ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چلیں اس لئے کہ خداوند عالم نے خود ارشاد فرمایا ہے۔ ''ولا تمش فی الارض مرحا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔'' ۸؎

یعنی اور روے زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ نہ تم زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ سر اٹھا کر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہونچ سکتے ہو۔

نیز خدا فرماتا ہے" واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔" ۹۹

یعنی اور اپنی رفتار میں میانہ روی سے کام لینا اور اپنی آواز کو دھیما رکھنا کہ سب سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے جو بلا سبب بھونڈے انداز سے چیختا رہتا ہے۔

ہاتھوں اور پیروں کی گواہی اپنے صاحب کے خلاف جب کہ ان سے امر خدا کو ترک کیا اور اسے انجام نہ دیا ہو اس بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔" الیوم نختم علی افواھم وتکلمنا ایدیھم ونشھد ارجلھم لما کانو یکسبون" ۱۰۰

ترجمہ: آج ہم ان کے منھ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ کیسے اعمال انجام دیا کرتے تھے۔

مذکورہ امور جو بیان کے گئے ہاتھوں اور پیروں کے فرائض میں شامل ہیں اور یہی ان کا عمل وایمان ہے۔

چہرہ کا ایمان وعمل

نماز کی حالت میں رات اور دن میں چہرہ پر خدا کا سجدہ کرنا واجب ہے اسی چیز کو خداوند عالم نے اس طرح بیان فرمایا" یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وفعلوا الخیر لعلکم تفلحون۔" ۱۰۱

یعنی ایمان والو رکوع کرو سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور کار خیر انجام دو کہ شاید اسی طرح کامیاب ہوجاؤ اور نجات حاصل کرلو۔

(رکوع وسجود) فریضہ جامع ہے جو چہرے، دونوں ہاتھوں اور پیروں سے ادا کیا جاتا ہے۔ خداوند عالم دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا " وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ

احداً۔"

یعنی اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہذا اسکے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔

اور دوسرے مقام پر بھی اعضا کے واجبات کے متعلق یعنی طہارت وقت خدا وند عالم نے (تبدیلی قبلہ کے بارے میں) اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی جانب متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔" وماکا ن اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤوف الرحیم" ۲ ؎

یعنی اور خدا تمہارے ایمان کو ضائع کرنا نہیں چاہتا وہ بندوں کے حال پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اس مقام پر نماز کو (کہ جو عمل وکردار ہے) ایمان کا نام دیا گیا ہے۔

گذشتہ بیان کی بنا پر جو شخص بھی خدا کے لئے اپنے اعضاء کی حفاظت کرے اور خدا سے ملاقات کرے اور جن اعضاء پر خدا نے واجب قرار دیا ہے اس کو بجا لاتا ہے یہی شخص اپنے کامل ایمان کے ساتھ خدا سے ملاقات کریگا اور اہل جنت سے قرار پائے گا اور جو شخص بھی اپنے وظائف (اور واجبات) میں خیانت کرے گا یا خدا کے حکم کی نافرمانی اور تکبر کرے گا اپنے ناقص ایمان کے ساتھ خدا کے روبرو ہوگا۔

اعلیٰ ترین ایمان

راوی حدیث ابو عمر وزبیری بیان کرتا ہے میں نے امام جعفر صادق سے عرض کی میں ایمان کے ناقص اور کامل ہونے کو سمجھ گیا ایمان کی برتری اور زیادتی (کس معنی میں ہے) اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ امامؑ نے ارشاد فرمایا خدا وند عالم اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔" واذاما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا وفاما الذین آمنوا فزادتھم ایمان وھم یستبشرون واما الذین فی قلوبھم مرض فزاد ھم اللہ رجسا الیٰ رجسھم۔"

یعنی اور جب کوئی سورہ نازل ہوتا ہے تو ان میں سے بعض یہ طنز کرتے ہیں کہ تم میں

سے کتنے لوگوں ایمان میں اضافہ ہوگیا ہے تو یاد رکھیں کہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ خوش بھی ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے مرض میں سورہ ہی سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

اور یہ آیہ شریفہ:

"نحن نقص علیک نبأھم بالحق انھم فتیۃ آمنوا بربھم وزدنھم ھدی"

۳؎

یعنی ہم ان کے واقعات آپ کو بالکل سچے سچے بتاتے رہے ہیں یہ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کردیا تھا۔

اگر تمام ایمان ایک جیسا ہوتا اور کمی وبیشی نہ ہوتی تو کسی بھی صاحب ایمان کو دوسرے پر امتیاز حاصل نہ ہوتا تجب ایمان (اور ہدایت خاص) تمام مومنین کے حق میں (اور راہ خدا میں جہاد کرنے والے مختلف مجاہدین) یکساں ہوتے اور تمام لوگ ایک جیسے ہوتے برتری درمیان سے ختم ہوجاتی (اور لیاقت مندی کے مراتب اور ان کے مجاہدات بے اثر ہوجاتے حالانکہ (ایسا نہیں ہوا) لیکن مکمل ایمان کے ساتھ مومنین جنت میں داخل ہوں گے اور ایمان کی زیادتی کے سبب مومنین خدا کے نزدیک درجات میں فضیلت پائیں گے اور (ایمان) کی کمی کے باعث حد سے تجاوز کرنے والے جہنم میں داخل ہوں گے۔ ۴؎

حضرت علی بن ابی طالبؑ سے سوال کیا گیا ایمان قول اور عمل ہے یا فقط قول بے عمل؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ایمان نام ہے قلب سے تصدیق کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا اور یہ تمام عمل ہے۔ ۵؎

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے محمد بن مسلم بیان کرتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا گواہی دینا "لا الہ الا اللہ اور دینا محمد رسول اللہ کی) اور جو چیزیں خدا کی جانب سے نازل ہوئیں ان کا اقرار کرنا

اور ان کی دل سے تصدیق کرنا (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کی کیا کوئی عمل نہیں ہے۔ ہاں! ایمان عمل کے بغیر ہو نہیں سکتا بلکہ ایمان عمل سے ہے اور ایمان عمل کے بغیر پائیدار نہیں ہو سکتا۔[۶]

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایمان قول بے عمل ہے۔

امام ہادی (علی نقیؑ) نے اپنے آباؤ اجداد کے حوالے سے امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت بیان کی کہ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہؐ نے فرمایا اے علی لکھو میں نے عرض کی کیا لکھوں؟ آنحضرت نے فرمایا لکھو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ایمان قلب میں اپنی جگہ حاصل کرتا ہے اور عمل کے ذریعہ ایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور جس کے ذریعہ نکاح حلال ہوتا ہے۔

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت عمل کی آزمائش گاہ ہے امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا اللہ اور کسی کے درمیان رشتہ داری نہیں۔ اطاعت (خدا) کے بغیر ولایت خدا تک نہیں پہونچا جاسکتا۔ آنحضرتؐ نے بنی عبد المطلب سے فرمایا (میرے پاس اپنے اعمال لیکر آنا نہ کہ حسب ونسب۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔" فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینهم یومئذ ولا یتساولون فمن ثقلت موازینه فاولئک هم المفلحون ومن خفت موازینه فاولئک الذین خسروا انفسهم فی جهنم خالدون۔"[۷]

یعنی پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ رشتہ داریاں ہوں گی اور نہ آپس میں کوئی ایک دوسرے کے حالات پوچھے گا۔ پھر جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے نفس کو خسارہ میں ڈال دیا ہے اور وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا۔ میں بلاشبہ اسلام کی ایسی تعریف بیان

کروں گا جیسی مجھ سے قبل کسی نے نہ بیان کی ہوگی نہ ہی کوئی بعد میں ویسی تعریف بیان کر سکے گا۔ اسلام نام ہے تسلیم و رضا کا تسلیم نام ہے تصدیق کا تصدیق نام ہے یقین کا یقین نام ہے ادائیگی کا اور ادائیگی نام ہے عمل کا۔ ۸ے

قرآنی ارشادات کی روشنی میں عمل کی کیفیت و کمیت:

خداوند عالم قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہم ان لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے ہیں جو اچھے اعمال انجام دیتے ہیں۔

۲۔ بیشک ہم نے روئے زمین کی ہر چیز کو زمین کی زینت قرار دے دیا ہے تاکہ ان لوگوں کا امتحان لیں کہ ان میں عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے۔ ۹ے

۳۔ اس (خدا) نے موت وحیات کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں حسن عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے۔ ۱۰ے

حدیث:

۱۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا ہر شخص کی قیمت اس چیز (کام اور ہنر) سے ہے جو اس کو اچھا بنا دے۔ (جس میں وہ اختصاص رکھتا ہے۔)

۲۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا لوگ اپنے کام اور عمل کے فرزند ہیں کہ جس کو اچھی طرح انجام دیتے ہیں۔ ۱۱ے

یعنی جس طرح سے ہر شخص اپنے باپ سے منسوب ہوتا ہے اسی طرح سے اس کی شناخت ہوتی ہے اسکی سبب بلندی حاصل کرتا ہے۔ صنعت و ہنر کام اور علم او اختصاص بھی کہ جس میں انسان پختہ اور ماہر ہوتا ہے اسے بخوبی جانتا ہے اس سے شہرت حاصل کرتا ہے یہی اس کی اصل وحقیقت اور اس کا جوہر ہے جیسے کہ فرزند اپنے باپ سے منسوب ہوتے ہیں اور انہیں سے ان کی شناخت ہوتی ہے اسی طرح جو حضرات صاحب مہارت وصاحب ہنر اور

باقیمت ہوتے ہیں وہ اسی کے رشتے سے پہچانے جاتے ہیں اور اسی جانب ان کی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں انسان اچھا ڈاکٹر ہے۔ اچھا کاریگر ہے اچھا ریاضی دان ہے اچھا استاد ہے اچھا صاحب قلم ہے اچھا معمار ہے اور اچھا کاشتکار ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہر صاحب ہنر و پیشہ کی کیفیت اور اس کی اہمیت پر تاکید کررہا ہے یعنی کسی انسان کی صحیح قدر و قیمت اس کی مہارت اور ہنر کاری ہے نہ کہ اس کے کام کی مقدار۔

۳۔ امام زین العابدینؑ نے ارشاد فرمایا اچھی نیت اور پسندیدہ گفتار اور اچھے کاموں سے ہماری مدد کرو۔ ۵۲؎

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیہ شریفہ (لیبلونکم ایکم احسن عملا) ۵۳؎ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد زیادہ (عمل) نہیں ہے بلکہ (بہتر) اور صحیح مراد ہے۔ اور کاموں کی درستی کا تعلق خوف خدا اور صحیح ارادہ اور نیت سے ہے۔ پھر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا عمل کی اس کے انجام تک خلوص سے نگہداری کرنا عمل کرنے سے زیادہ دشوار ہے اور خالص عمل یہ ہے کہ خدا کے علاوہ ہم کسی دوسرے سے اس کی تعریف کے خواستگار نہ ہوں اور نیت عمل سے بہتر ہے جان لو کہ نیت ہی عمل ہے پھر حضرت نے اس آیہ شریفہ کی تلاوت فرمائی۔ کل یعمل علی شاکلتہ"۔ ۵۴؎

عمل اور کام میں تقویٰ

قرآن کریم:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہے وہ بہتر ہے یا جس نے اپنی بنیاد اس گرتے ہوئے کگارے کے کنارے پر رکھی ہو کہ وہ ساری عمارت کو لیکر جہنم میں گر جائے اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔ (۱۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۹)

حدیث:

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوذر عمل میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی رعایت وکوشش خود اس عمل کے انجام دینے سے زیادہ کرو اس لئے کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی بھی عمل کم شمار نہیں کیا جاتا اگرچہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو) کیا قبول ہو اعمل بھی کم ہو سکتا ہے؟ ۵۵

۲۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا کوئی عمل بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ کم شمار نہیں کیا جاسکتا ہے ۵۶

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میں تمہیں خوف خدا، پرہیزگاری اور کوشش کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ جان لو کہ ہر کوشش، (چاہے عبادت یا دوسرے امور میں ہو) کہ جس میں تقویٰ اور پرہیزگاری نہ ہو، فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ ۵۷

جوہر عمل

۱۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا بہت سا کم (عمل) زیادہ سے بلند ہوتا ہے

۲۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا کبھی مختصر چیز بلند اور زیادہ ہوجاتی ہے اور بہت زیادہ چیز بیکار اور ختم ہوجاتی ہے ۵۸

۳۔ امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا اے حمران بن اعین! جان لو کہ یقین کے ساتھ مختصر عمل خدا کے نزدیک بہتر ہے اس زیادہ عمل سے جو بلا یقین انجام دیا جائے۔

۴۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا دو عمل کے درمیان کس قدر زیادہ فرق ہے۔ ایک وہ عمل جس کی لذت ختم ہوجاتی ہے اور اس کا بار گناہ اور اس کی پرسش اپنی جگہ باقی رہتی ہے اور دوسرا وہ عمل کہ جس کی تکلیف ختم ہوجاتی ہے اور اس کی جزا باقی رہتی ہے۔ ۵۹

صحت عمل واستقامت

حدیث:

۱۔ امام جعفر صادق نے آنحضرت سے روایت فرمائی کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا

خداوند عالم سے درستی اور استقامت چاہو اور اس کے ہمراہ عمل اور کام کی صحت اور اس کی پائیداری۔ ١٠

استحکام عمل

امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ (قبر) پرانی اور بوسیدہ ہوجائیگی لیکن خداوند عالم اس بندہ کو دوست رکھتا ہے کہ جب وہ کام انجام دے تو صحیح انجام دے اور آخر تک انجام دے۔ ١١

توجہ کیجئے:

یہ گفتگو عبد اللہ بن سنان کی روایت کا ایک حصہ ہے جس کی انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے۔ حدیث کا کچھ حصہ اس طرح ہے کہ عبد اللہ بن معاذ کا انتقال ہوگیا آنحضرتؐ اٹھے اور آپ کے ہمراہ اصحاب بھی روانہ ہوئے۔ آنحضرت نے سعد بن معاذ کو غسل دیئے جانے کا حکم فرمایا غسل کے دوران سعد کو چارلکڑیوں پر رکھا ہوا تھا غسل دینے کے بعد حنوط کیا گیا کفن پہنایا گیا اور تابوت میں رکھ دیا گیا آنحضرتؐ پا برہنہ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ کبھی آپ دائیں جانب سے تابوت پکڑتے کبھی بائیں جانب سے یہاں تک کہ انہیں قبرستان تک پہونچایا اور قبر کے نزدیک رکھ دیا۔ آنحضرت خود ان کی قبر میں داخل ہوئے اور ان کی لحد کو اپنے دست مبارک سے درست کیا اور حکم فرماتے جاتے پتھر دو مٹی لاؤ اسی طرح (قبر کو) اینٹوں سے درست کیا جب قبر کا کام مکمل ہوگیا پھر جب اس پر مٹی ڈال چکے اس وقت آپ نے فرمایا "انی لا علم انه سیبلی ویصل البلیٰ الیه ولکن الله یحب عبداً اذا عمل عملا احکمہ۔" ١٢

یقیناً میں جانتا ہوں کہ یہ قبر اور اس کی لحد پرانی ہوجائے گی لیکن خداوند عالم ایسے بندے کو دوست رکھتا ہے جب وہ کام کرے تو مستحکم اور پائیدار کام کرے اور اس کو صحیح طور پر انجام تک پہونچائے۔

عمل پر آمادگی

اعلیٰ ترین اعمال وہ ہیں کہ جس کی انجام دہی کے لئے تمہیں نفس کو مجبور کرنا پڑے۔

میانہ روی: عمل کی طبیعی شکل

قرآن:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

اور نہ تو پورے کنجوس ہی بن جاؤ اور نہ بڑے فضول خرچ کہ خالی ہاتھ پشیمان بیٹھے رہو۔

حدیث:

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہر کام اور ہر چیز کی بہتری یہ ہے کہ اس کی حد میانہ روی پر ہو۔ [۱۳]

کامیابی کی راہ میں اقدام

حدیث:

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا اگر کسی کام سے ڈرتے ہو تو اس میں پھاند پڑو اس لئے کہ ہر کام سے ڈرنا خود اس کام سے بڑا ہوتا ہے۔ [۱۴]

عمل کا خالص ہونا

قرآن:

۱۔ (اے پیغمبرؐ یہ کہئے کہ پروردگار مجھے اچھی طرح سے آبادی میں داخل کر اور بہترین انداز سے باہر نکال اور میرے لئے ایک طاقت قرار دیدے جو میری مدد گار ثابت

ہو۔ ۱۵؎ (سورہ اسریٰ آیت ۸۰)

۲۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جس نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ان لوگوں نے نیک اور بد اعمال مخلوط کردیے ہیں۔ عنقریب خدا ان کی توبہ قبول کرلے گا کہ وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ۱۶؎

۳۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے ہم نے آپ کی طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے لہٰذا آپ مکمل اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کریں آگاہ ہوجایئے کہ خالص بندگی صرف اللہ کے لئے ہے۔

۴۔ اللہ کو جو تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا، چھوڑے دیتے ہو پس انہوں نے الیاس کی تکذیب کی وہ سب (عذاب میں) ضرور دھرے جائیں گے۔ اللہ کے خالص بندے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۵۔ تو اب دیکھو کہ جنہیں ڈرایا جاتا ہے ان کے نہ ماننے کا کیا انجام ہوتا ہے علاوہ ان لوگوں کے جو اللہ کے مخلص بندے ہوتے ہیں۔ ۱۷؎

حدیث:

حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا کسی عمل کا بطور خالص انجام دینا خود اس عمل سے زیادہ دشوار ہے۔ ۱۸؎

۲۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: کسی عمل کا خالص انجام دینا خود اس عمل سے بہتر ہے۔ ۱۹؎

۳۔ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: عمل کے انجام تک اخلاص کی حفاظت کرنا عمل سے دشوار ہے۔ ۲۰؎

۴۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: جب تک کہ علم عمل کے ساتھ اور اس کے متعلق دینی معلومات صحیح نہیں ہونگی۔ عمل پاک اور خالص نہیں ہوسکتا۔ ۲۱؎

۵۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا اخلاص عمل پیدا کرو تا کہ اپنا مقصود حاصل کر سکو۔ ۲؎

۶۔ امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا عقل کے سپاہیوں میں سے ایک عمل میں اخلاص کا پیدا کرنا ہے اور اسکی ضد نیت کی آلودگی اخلاص کی کمی ہے۔ ۳؎

۷۔ امام سجاد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: پروردگار میری نیکیوں کو جو تیری نافرمانیوں کے ساتھ آمیزش گھل مل گئیں انہیں ختم نہ فرمانا۔ ۴؎

۸۔ امام سجاد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: پروردگار ہر وہ شخص جو تیرے دین پر عقیدہ رکھتا ہو جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہو یا ہر مجاہد جو تیرے احکام کا پابند ہو دشمنوں سے جہاد کرے تا کہ تیرا دین بلند اور تیرا گروہ طاقت اور تیرے احکام پر عمل کیا جائے۔ ان کے کام کو ان پر آسان فرما اور اس کو حکم اور عزم وارادہ میں پائیداری فرما اور ریا کاری کو اس سے دور فرما اور شہرت طلبی سے آزاد فرما اور اس کی فکر وذکر وسفر وحضر کو پاک اور خالص فرما اور خود اپنے لئے قرار دے۔ ۵؎

۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو ذر غفاری نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: ہر حق کے لئے ایک حقیقت ہے اور کوئی بندہ اس وقت تک اخلاص کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا جب تک کہ وہ اس عمل کی تعریف کا خواہش مند نہ جو اس نے خدا وند عالم کے لئے انجام دیا ہے۔ ۶؎

کام کو انجام تک پہونچا دینا اس کی پائیداری

قرآن کریم:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: بیشک جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور اسی پر جمے رہے ان کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہونے والے ہیں۔

۲۔ اور اگر یہ لوگ سب ہدایت کے راستے پر قائم رہتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کر دیتے۔ ۷؎

۴- لہٰذا آپ اس کے لئے دعوت دیں اور اس طرح استقامت سے کام لیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔۸؎

حدیث:

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کام مکمل انجام دینے ہی کے لئے ہوتے ہیں (یعنی انہیں اختتام تک پہونچایا جائے)۹؎

۲- حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: وہ مختصر کام جس میں استقلال ہو اس زیادہ کام سے جس سے تم ملول ہو زیادہ امید بخش ہے۔۱۰؎

۳- امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس کی بندہ پابندی کرے اگرچہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔۱۱؎

۴- تمام کام اپنے اختتام سے وابستہ ہوتے ہیں معیار عمل انکا اختتام ہے۔۱۲؎

۵- حضرت عیسٰی نے (اپنے حواریوں سے فرمایا) اے حواریو! میں تم سے حق بیان کرتا ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ عمارت اپنی اساس اور بنیاد سے ہوتی (لیکن) میں تم سے یہ نہیں کہتا (لوگوں نے) حضرت عیسٰی سے عرض کی اے روح اللہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا میں تم سے حق کہتا ہوں وہ آخری پتھر، جس کو معمار رکھتا ہے، وہی اساس وبنیاد ہے یعنی کام کا انجام اور کام کا اختتام تک پہونچانا۔۱۳؎

۶- حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا تمام کام مکمل کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔۱۴؎

۷- امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ پابندی سے کام انجام دینا خود اس کام سے زیادہ دشوار ہے۔۱۵؎

۸- حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو شخص تاریکی میں ڈوب چکا ہے اسے چمکنے والی بجلی بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔۱۶؎

نوٹ۔ مقصد یہ ہے کہ بغیر پابندی کے کام انجام دینے سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

کام نہ کرنے کی آرزو

قرآن:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

ا۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ کھائیں پئیں اور مزے اڑائیں اور امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رہیں۔ عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔ ۸۷

۲۔ منافقین ایمان والوں سے پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے تو وہ کہیں گے بیشک مگر تم نے اپنے کو بلاؤں میں مبتلا کردیا اور ہمارے لئے مصائب کے منتظر رہے اور تم نے رسالت میں شک کیا اور تمھیں تمناؤں نے دھوکے میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ حکم خدا آگیا اور تمھیں مکار شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔ ۸۸

ا۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا اولیائے خدا نے صبر و شکیبائی کے ذریعہ جزا حاصل کی اور کردار سے اپنی امیدیں حاصل کیں۔ ۸۹

۲۔ امام سجاد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: امید وآرزو نے قرآن سے فروغ حاصل کرنے والوں کو عمل کرنے سے نہیں روکا۔ ۹۰

۳۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: اے ہشام مومن زیرک اور ہوشمند ہوتا ہے ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے اور دل کو ممکنہ امیدوں سے وابستہ کرتا ہے۔ ۹۱

۴۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کم امیدیں اور آرزو کرنا عمل کرنے کے لئے بہترین مددگار ہیں۔ ۹۲

۵۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہر کام کے انجام دینے سے اطمینان حاصل کرو۔ آرزو اور امید کے فریب میں آنے سے پرہیز کرو۔ آنے والے کل کے غم کو آج نہ کرو اس لئے کہ آج ہی کا غم تمہارے لئے کافی ہے۔ آنے والے کل کی پریشانیاں تم پر کل وارد ہوں گی اگر کل کے غم کو آج پر بار کروگے تو اپنے رنج واندوہ میں اضافہ کروگے۔ اور تم نے خود کو آمادہ کیا

ہے کہ ایک ہی دن میں کئی چیزوں کو تحمل کرو جس کو تم چند روز میں تحمل اور برداشت کر سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ غم واندوہ میں اضافہ ہو جائے گا کام زیادہ ہوگا اور رنج میں فراوانی ہوگی کام کرنا اور دل سے آنے والے کل کی آرزو باندھنا غم وغصہ پیدا کرتا ہے لیکن اگر دل کو آرزو سے خالی کردو گے تو آج کے دن کام میں زیادہ کوشش کرو گے۔ ۹۳

۶۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو عمل کے بغیر آخرت میں اچھی امید کرتے ہیں اور لمبی لمبی امیدوں کے ساتھ توبہ کی امید میں بیٹھے ہیں دنیا کی طلب میں رہتے ہیں اور کسی چیز کی چاہت کے وقت بہت زیادہ اصرار کرتے ہیں لیکن عمل کے وقت کوتاہی کرتے ہیں۔ گفتگو میں شاطر وچالاک ہیں عمل میں سست ہیں اور عمل کے بغیر فائدہ حاصل کرنے کی امید میں لگے رہتے ہیں۔ ۹۴

۷۔ جو شخص دل سے لمبی لمبی امیدیں وابستہ کرتا ہے اچھی طرح کام نہیں کرتا۔

۸۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: جو شخص آرزوں کا دامن کشادہ کرتا ہے اس کا عمل کوتاہ اور بیکار ہو جاتا ہے۔ ۹۵

عمل وسیلہ شناخت

قرآن کریم:

۱۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا: اللہ سے ڈرو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ۹۶

۲۔ اور اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہنا جب تک کہ موت نہ آجائے۔

۳۔ وہ رسول جو اللہ کی واضح آیات کی تلاوت کرتا ہے تا کہ ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔

حدیث:

آنحضرت نے ارشاد فرمایا: جو شخص جو کچھ بھی جانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو

خداوند عالم اس شخص کے لئے جو وہ نہیں جانتا ہے اس کا علم آسان فرما دیتا ہے۔ ۹۷

۲۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا: علم عمل سے وابستہ ہے ۹۸

۳۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وہ کچھ نہیں جانتا۔ ۹۹

۴۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: علم کا معیار اس پر عمل کرنا ہے۔ ۱۰۰

۵۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: مومن کا علم اس کے عمل سے وابستہ ہے۔ ۱۰۱

۶۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: علم انسان کی ذات سے متصل ہے پس جو شخص درحقیقت علم رکھتا ہے، عمل بھی کرتا ہے اور علم عمل کو پکارتا ہے اگر عمل نے اس کا جواب دیا یعنی اگر صاحب علم نے اس پر عمل کیا تو وہ باقی رہتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ ورنہ اس کے پاس سے رخصت ہوجاتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے۔

۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کوئی بھی عمل بغیر معرفت پہچانا نہیں جا سکتا اورکوئی معرفت عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی ۔ ۱۰۲

پہلے کردار پھر گفتار

قرآن:

۱۔ کیا تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو جبکہ کتاب خدا کی تلاوت بھی کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس عقل نہیں؟

۲۔ ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ ۱۰۳

حدیث:

۱۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا: اے علیؑ! گفتگو میں کوئی خیر نہیں ہے مگر کردار کے ساتھ۔ ۱۰۴

۲۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اے ابن مسعود! ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو لوگوں پر سختی وشدت کرتے ہیں اور اپنے لئے آسانی کے خواہاں ہیں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ لم تقولون ما لاتفعلون۔ ۵۔۱

یعنی وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اے مسعود! ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ کہ جو لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہیں اور اس کا حکم کرتے ہیں اور خود اس سے غافل ہیں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ ’’اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔‘‘ (سورہ بقرہ۔ آیت ۴۴)

یعنی کیا تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو۔ ۶۔۱

۴۔ امام محمد باقرؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے اس طرح روایت کی نیک کام کی تعریف اور اس پر عمل کرنے والا دونوں ہو۔ ۷۔۱

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہوئے راوی حدیث بیان کرتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے آیت شریفہ (اتا مرون الناس باالبر وتنسون انفسکم)

یعنی کیا تم لوگوں کو نیکیاں کرنے کا حکم دیتے ہو حالانکہ اپنے نفسوں کو فراموش کردیتے ہو‘‘ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت نے اپنا دست مبارک گلے پر رکھتے ہوئے فرمایا ایسے انسان نے خود کو ذبح کردیا۔ ۸۔۱

یعنی جو شخص لوگوں کو نیک کام کی دعوت دیتا ہے اور خود کو فراموش کردیتا ہے یا خود کو معاف سمجھتا ہے اور نیک کام انجام نہیں دیتا یہ ایسا ہی ہے کہ آپ کہیں کہ ایسے شخص نے خود کو اپنے ہاتھوں سے قتل کردیا اور ہلاک کردیا۔

۶۔ حضرت علیؑ نے کاہل (وست) اور گنہگاروں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ دوسروں کو روکتا ہے اور خود ہاتھ نہیں اٹھاتا حکم دیتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا گفتگو پر فخر کرتا ہے

اور دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اور اپنا کردار ایسا نہیں رکھتا۔ ۱۰۹

۷۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے زبان کو فقط گفتگو کرنے اور ہاتھوں کو بندھے رہنے یعنی کام نہ کرنے کے لئے خلق نہیں فرمایا ہے بلکہ خداوند عالم تو چاہتا ہے کہ یہ دونوں اعضا زبان اور ہاتھ ایک ساتھ کھلیں اور ساتھ بند ہوں۔ ۱۱۰

۸۔ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جاہل کا (غم و) غصہ اس کی گفتگو میں ہوتا ہے اور عقلمند کا (غم و) غصہ اس کے کردار میں۔ ۱۱۱

۱۰۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: اچھے کردار کے ساتھ علم کا ثمرہ حاصل ہوتا ہے اچھی گفتگو سے نہیں۔ ۱۱۲

۱۱۔ امام کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے ہشام! مومن گفتگو کم اور کام زیادہ کرتا ہے اور منافق گفتگو زیادہ اور کام کم کرتا ہے۔ ۱۱۳

۱۲۔ حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: (سچے مومن کی شناخت) یہ ہے کہ حق کہ توصیف اور اس پر عمل کرتا ہے جس چیز میں بھی خیر کا ہدف پاتا ہے اس کی جانب تیزی سے دوڑتا ہے اور جس کام میں بھی خیر کا گمان کرتا ہے اس میں مصروف ہوجاتا ہے۔ ۱۱۴

۱۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے مفضل بن عمر جعفی بیان کرتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کامیاب (انسان) کس چیز سے پہچانا جاتا ہے؟ ارشاد فرمایا جس کی گفتگو اس کے کردار کے مطابق ہو وہ کامیاب ہے اور جس کی گفتگو کردار کے مطابق نہ ہو اس کا ایمان عارضی ہے ۱۱۵

۱۷۔ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ حسرت و پشیمانی اور شرمساری اس شخص کے لئے ہے جو اپنی بینائی سے استفادہ نہیں کرتا اور جو کام بھی کرتا ہے اس کے بارے میں نہیں جانتا ہے اسکے لئے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ۔ ۱۱۶

۱۸۔حضرت علی بن ابی طالبؑ نے ارشاد فرمایا پست ترین علم وہ ہے جو (صرف) زبان پر ٹھہر جائے (عمل نہ کیا جائے) اور بلند ترین علم وہ ہے جو اعضا و جوارح سے ظاہر ہو عمل کیا جائے۔

۱۹۔امام سجاد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

پروردگار محمدؐ اور ان کی اولاد پر رحمت نازل فرما اور مجھے عبادت کے لئے صحت عنایت فرما۔زھد کے لئے قلبی سکون عنایت فرما کام کرنے کے لئے عقل اور اچھے کام کرنے کے لئے پرہیزگاری عطا فرمایا۔ ۱۷

حوالے:

۱۔خصال ۱۔۵۱

۲۔نہج البلاغہ ۱۲۸ عبدہ، ۱۰۲

۳۔بحار ۱۷۷۔۱۸۳ از کتاب اعلام الدین''

۴۔نہج البلاغہ، ۸۱۷ عبدہ، ۱۹۴

۵۔نہج البلاغہ، ۹۸

۶۔بحار ۹،۷۸ از کتاب (مطالب السؤل)

۷۔غرر الحکم، ۲۲۵

۸۔غرر الحکم، ۳۱۸

۹۔مشکاۃ الانوار، ۳۸

۱۰۔وسائل۔۱۔۴۹

۱۱۔غرر الحکم، ۱۴

۱۲۔غرر الحکم، ۲۳

۱۳۔غرر الحکم، ۲۳

۱۴۔ ''بحار'' ۱۸،۷۸ از کتاب اعلام الدین اور اصول کافی ۲، ۵۷

۱۵۔ تحف العقول، ۲۸۹

۱۶۔ غرر الحکم، ۵۳

۱۷۔ زمانہ کی قسم سے مراد آنحضرتؐ کا روشن زمانہ یا امام مہدیؑ کا وقت ظہور مراد ہے یا قیامت کا وہ دن ہے جس اعمال کے نتائج ظاہر ہوں گے۔

۱۸۔ سورہ بینہ آیت ۷

۱۹۔ سورہ تین آیت نمبر ۶۔۴

۲۰۔ سورہ شوریٰ آیت ۲۶

۲۱۔ سورہ سبا آیت ۴۶

۲۲۔ سورہ محمد آیت۔ ۲

۲۳۔ سورہ سبا آیت ۳۷

۲۴۔ اصول کافی ۲۔ ۳۴

۲۵۔ وسائل ۴۔ ۱۲۷

۲۶۔ سورہ نحل آیت ۱۰۴

۲۷۔ سورہ رعد آیت ۲۸

۲۸۔ سورہ مائدہ آیت ۴۱

۲۹۔ سورہ بقرہ آیت ۲۸۴

۳۰۔ سورہ بقرہ، ۸۳

۳۱۔ سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۶

۳۲۔ سورہ نبا آیت ۱۴۰

۳۳۔ سورہ انعام آیت ۶۸

۳۴۔سورہ زمر آیت ۱۸

۳۵۔سورہ مومن آیت ۴۔۱

۳۶۔سورہ فرقان آیت ۷۲

۳۷۔سورہ نور آیت ۳۰

۳۸۔سورہ نور آیت ۳۱

۳۹۔سورہ فصلت آیت ۲۲۰

۴۰۔سورہ اسراء۔۳۶

۴۱۔سورہ مائدہ آیت ۶

۴۲۔سورہ محمد آیت ۴

۴۳۔سورہ اسراء آیت ۳۷

۴۴۔سورہ لقمان آیت ۱۹

۴۵۔سورہ یٰسین آیت ۶۵

۴۶۔سورہ حج آیت ۷۷

۴۷۔سورہ جن آیت ۱۸

۴۸۔سورہ بقرہ۔ ۱۴۳

۴۹۔سورہ توبہ آیت ۔۱۲۵۔۱۲۴

۵۰۔سورہ کہف۔آیت ۱۳

۵۱۔ الکافی ۲۔ ۳۳۔۳۷۰

۵۲۔ اُبحار ۹۴۔۴۷

۵۳۔الکافی ۲۔۳۸

۵۴۔ اُبحار ۹۴۔۱۹۔ از کنز الفوائد

۵۵۔سورہ المومنون ۲۳۔آیت ۱۰۱۔۱۰۳

۵۶۔اختلاف کے ساتھ انجار ۶۸۔۳۰۹

۵۷۔ایضاً الکافی ۲۔۴۵

۵۸۔سورہ کہف آیت ۳۰

۵۹۔سورہ کہف۔آیت ۷

۶۰۔سورہ ملک آیت ۲

۶۱۔نہج البلاغہ ۱۲۲ عبدہ ۲۔۱۵۹

۶۲۔ارشاد مفید، ۱۴۲

۶۳۔صحیفہ سجادیہ، ۳۵۰ (دعای ۴۷)

۶۴۔سورہ ھود۔آیت ۷

۶۵۔سورہ اسراء آیت ۸۴

۶۶۔سورہ توبہ آیت ۱۰۹

۶۷۔کارم الاخلاق، ۵۵۵

۶۸۔(نہج البلاغہ)۔۱۱۲۹

۶۹۔وسائل ۱۱۔۱۹۲

۷۰۔نہج البلاغہ۔۹۳۱ عبد ۵۵۱۲

۷۱۔۷۸۔۱۲۔ماخوذ مطالب السوول

۷۲۔اختصاص ۲۲۲

۷۳۔نہج البلاغہ۔۱۱۴۸

۷۴۔عبدہ ۲۔۱۷۰

۷۵۔مستدرک ا۔۳۶۰

۷۶۔امالی شیخ صدوق ۔ ۳۴۴

۷۷۔امالی صدوق، ۳۴۴

۷۸۔نہج البلاغہ، ۱۱۹۶

۷۹۔سورہ اسراء آیت ۲۹

۸۰۔بحار ۷۷۔۱۶۶ کتاب غوالی اللئالی

۸۱۔نہج البلاغہ ۱۱۶۹ عبدہ ۲۔۱۸۵

۸۲۔سورہ توبہ۔۱۰۲

۸۳۔سورہ زمر آیت ۳۔۲

۸۴۔سورہ صافات آیت ۴۷۔۳۷

۸۵۔کافی ۔ ۸۔۲۴

۸۶۔بحار ۸۷۔۹۔ از کتاب کنز الفوائد

۸۷۔غرر الحکم، ۲۵۵

۸۸۔غرر الحکم، ۴

۸۹۔اصول کافی ۱ ۔ ۲۲

۹۰۔صحیفہ سجادیہ، ۳۵۸ (دعائے ۴۷)

۹۱۔صحیفہ سجادیہ، ۱۸۷ (دعائے ۲۷)

۹۲۔مستدرک، ۱۰۱

۹۳۔سورہ احقاف آیت ۱۳

۹۴۔سورہ جن آیت ۱۷ مجمع البیان ۱۰۔۳۷۴۔۳۷۱

۹۵۔سورہ شوریٰ آیت ۱۵

۹۶۔بحار ۱۷۷۔۱۶۵۔از کتاب غوالی اللئالی، ۱۹۰

۹۷۔ نہج البلاغہ، ۱۴۴ عبدہ ۲، ۵۱۳
۹۸۔ وسائل ۱۔ ۷۰
۹۹۔ اختصام، ۳۳۹
۱۰۰۔ معانی الاخبار۔ ۳۳۱
۱۰۱۔ غررالحکم ۱۵۳
۱۰۲۔ اصول کافی ۲، ۲۹۶
۱۰۳۔ کافی ۲۳۔ ۸
۱۰۴۔ سورہ حجر آیت، ۳۰
۱۰۵۔ سورہ حدید آیت ۱۴
۱۰۶۔ تحف العقول، ۱۵۷
۱۰۷۔ صحیفہ سجادیہ، ۲۶۸ (دعائے، ۴۲)
۱۰۸۔ اصول کافی ۲، ۲۲۶ اور ۲۳۰
۱۰۹۔ غررالحکم، ۳۲۰
۱۱۰۔ بحار ۷۳، ۱۱۲
۱۱۱۔ تحف العقول، ۱۱۰
۱۱۲۔ نہج البلاغہ، ۱۱۰۳ عبدہ ۲۔ ۱۵۱
۱۱۳۔ ارشاد ۱۴۴
۱۱۴۔ سورہ بقرہ آیت ۲۸۲
۱۱۵۔ سورہ حجر آیت ۹۹
۱۱۶۔ سورہ طلاق آیت ۱۱۔

تاریخ اسلام:

آیت اللہ جعفر سبحانی

ہجرت کے پانچویں سال کے واقعات:

فساد کا آخری اڈہ

پیغمبر اکرمؐ شہر مدینہ میں وارد ہونے کے بعد پہلے سال ہی داخلی اختلافات اور گروہ بندیوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ اور اس کے اطراف کے نظم وانتظام کے لئے ایک محکم منشور اور جیتی جاگتی سند کی ترتیب وتنظیم کا کام انجام دے چکے تھے۔ عام طور پر قبیلۂ اوس وخزرج والے اور خصوصی طور پر ان دونوں قبیلوں کے وفادار وثابت قدم یہودیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ شہر مدینہ کے اس علاقے کا بھرپور دفاع کریں گے۔ واضح رہے کہ یہ سند اپنی جملہ خصوصیات کے ساتھ اس سے قبل پیش کی جاچکی ہے۔

دوسری طرف پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک دوسرا معاہدہ بھی کیا تھا جس میں فریقین کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ اگر مدینہ یا اس کے اطراف میں آباد کسی یہودی قبیلے نے رسول خداؐ اور ان کے اصحاب کو کوئی نقصان پہونچایا یا اپنے اسلحے اور مرکب کے ذریعہ پیغمبر کے دشمنوں کی مدد کی تو پیغمبر اکرمؐ کو پوری طرح یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ان حملہ آوروں کی جائداد ضبط کرلیں اور ان کو یا ان کی اولاد کو قیدی بنالیں یا انھیں پھانسی پر لٹکادیں۔

لیکن یہودیوں کے تین گروہوں میں سے ہر ایک نے معاہدہ شکنی کرتے ہوئے اس معاہدہ کو پوری طرح نظر انداز کردیا۔ ''بنی قینقاع'' نامی یہودی گروہ نے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا، قبیلۂ بنی النضیر'' نے پیغمبر کے قتل کا منصوبہ بناڈالا اور پیغمبر نے ان لوگوں کو جلاوطنی کی

زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور کر دیا تا کہ وہ مسلمانوں کے ماحول و محیط سے باہر چلے جائیں اور یہودیوں کے تیسرے گروہ یعنی ''بنی قریظہ'' نے بھی اس کو نقصان پہونچانے کے لئے عرب فوج کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے قائد عظیم الشان ''قبیلہ بنی قریظہ'' کی تنبیہ و تادیب کس طرح کرتے ہیں ؟!

ابھی سپیدۂ سحری بھی نمودار نہ ہوا تھا کہ شہر مدینہ میں مقیم یہودیوں پر مشتمل دستہ احزاب سے وابستہ تمام لوگ غیر معمولی خوف دہشت کی وجہ سے یہاں سے بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے چہرے پر غیر معمولی مرجھاہٹ اور تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ ایسے حالات میں حکم خداوندی کے بموجب پیغمبر اکرمؐ کو اس کام پر تعینات کیا گیا کہ وہ قبیلہ بنی قریظہ کا کام تمام کر دیں۔ موذن نے اذان دی اور پیغمبر اکرمؐ نے مسلمانوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد موذن نے رسول مقبول کی ہدایت کے مطابق اعلان کیا۔ ''عصر کی نماز بھی مسلمان محلۂ بنی قریظہ میں ادا کریں۔ اس کے بعد پرچم اسلام علیؑ کو دیدیا اور بہادر و فاتح سپاہی حضرت علیؑ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان لوگوں نے قبیلہ بنی قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کے محافظوں نے حفاظتی چوکیوں سے یہ دیکھ لیا کہ اسلامی سپاہ قلعہ کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی یہودیوں نے فوراً قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسلامی سپاہ کے فوجی قلعہ کے دروازہ کے قریب پہونچ گئے اور دونوں جماعتوں کے درمیان سرد جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہودی قلعہ میں موجود روشن دانوں اور جھروکھوں سے پیغمبر کو گالیاں دے رہے تھے۔ اسلامی سپاہ کے سپہ سالار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہودیوں کی گالی گلوج پیغمبر اکرمؐ کو سنائی دے لہذا وہ مدینہ کی طرف چل پڑے تا کہ وہ پیغمبر کو قلعہ کے قریب نہ آنے دیں۔ لیکن پیغمبر نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ''مجھے دیکھتے ہی وہ لوگ گالی دینا بند کر دیں گے۔'' چنانچہ وہ قلعہ کے قریب آگئے اور ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''کیا تم لوگوں کو خداوند عالم نے ذلیل و رسوا نہیں کیا۔''[۱]

یہودیوں نے پیغمبر اکرمؐ کی زبان سے اس قسم کے سخت جملے اس سے پہلے کبھی نہیں سنے تھے لہٰذا ان کے احساسات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ان لوگوں نے کہا:

''اے ابو القاسم ! اس سے پہلے تم کبھی اتنے سخت کلام نہیں تھے؟!''

ان لوگوں کی اس بات نے پیغمبر کے جذبات کو اتنا متحرک بنادیا کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے اور عبا ان کے کندھے سے زمین پر آگری۔'' ۳۷

قلعہ کے اندر یہودیوں کا مشاورتی اجلاس:

اس مشاورتی اجلاس میں ، حیی بن اخطب نضیری ، جس نے جنگ احزاب کی آگ بھڑکائی تھی اور جو احزاب کے متفرق ہونے کے بعد خیبر کی طرف جانے کے بجائے اس قلعہ میں داخل ہوکر یہودی جماعت کے سردار کے سامنے تین تجاویز پیش کرتے ہوئے یہ درخواست کی تھی کہ ان میں سے ایک تجویز پر سب لوگ موافقت کرلیں:

۱۔ ہم سبھی لوگ اسلام قبول کرلیں کیونکہ محمد کی نبوت ہم سبھی لوگوں کی نظر میں قطعی اور مسلم ہے اور ہماری مقدس کتاب توراۃ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

۲۔ ہم لوگ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو قتل کرڈالیں۔ اس کے بعد قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کے خلاف آزادانہ جنگ کریں۔ اگر اس جنگ کے دوران ہم لوگ قتل ہوگئے تو کوئی بات نہیں اور اگر اس میں کامیاب ہوگئے تو دوبارہ عورت وبچوں کے ذریعہ نئے خانوادہ کی تشکیل کرلیں گے۔

۳۔ آج کی رات شنبہ کی رات ہے۔ محمد اور ان کے اصحاب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ یہودی لوگ شب وروز شنبہ کوئی کام انجام نہیں دیتے ۔ پس ہم لوگ ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آج کی رات ان پر دھاوا بول دیں۔

مشاورتی اجلاس نے ان تینوں تجاویز کو پوری طرح رد کردیا اور کہا کہ ہم ہرگز اپنے دین و مذہب اور اپنی مقدس کتاب توراۃ سے دستبردار نہ ہوں گے۔ اپنی خواتین اور اپنے

بچوں کے قتل کے بعد ہم لوگوں کی زندگی بالکل بے لطف بے معنی ہوجائے گی اور تیسری تجویز مذہبی عقائد کی وجہ سے ناقابل قبول ہے کیونکہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی صورت میں یہ قوی امکان ہے کہ ہم الٰہی غیض وغضب میں گرفتار ہوجائیں جیسا کہ ہم سے پہلے کی اقوام روز شنبہ کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے قہر خداوندی کا شکار ہوچکی ہیں۔ ۱۲

اس مجلس مشاورت کے اراکین کے افکار وعقائد سے بخوبی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ پہلی تجویز کی تردید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے ضدی دشمن تھے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ان کے رہبر کے قول کے بموجب وہ لوگ پیغمبر کی شخصیت سے پوری طرح واقف تھے پھر بھی وہ لوگ ان کا مقابلہ کررہے تھے جو ان لوگوں کے اڑیل اور ضدی ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ دوسری تجویز کے سلسلے میں ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کی روشنی میں یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ یہ لوگ نہایت سنگ دل تھے کیونکہ معصوم بچوں اور عورتوں کے قتل کا خیال قساوت قلب اور سنگدلی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ مجلس مشاورت نے اس تجویز کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ بے گناہ خواتین اور معصوم بچوں کے قتل کے بعد زندگی بے مزہ ہوجائے گی۔ ان لوگوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان بیچاروں نے کیا گناہ کیا ہے کہ ہم انھیں قتل کرڈالیں۔ اگر محمد ان لوگوں پر غلبہ حاصل کرلیں تو بھی وہ ان لوگوں کو ہرگز قتل نہ کریں گے کیونکہ ہم لوگ ان کے مہربان باپ ہیں۔ آخر ہم ایسا ظالمانہ کام کیسے کرسکتے ہیں کہ اپنی اولاد کو خود ہی قتل کرڈالیں۔!

ان لوگوں کی تیسری تجویز سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو پیغمبر کی معنوی وروحانی طاقت اور دفاعی وفوجی شعبہ میں ان کی ماہرانہ صلاحیت سے بخوبی واقفیت نہ تھی اور ان کا یہ خیال تھا کہ اسلام کے قائد عظیم الشان شب وروز شنبہ احتیاط سے کام نہیں لیتے وہ بھی یہودی دشمنوں کے سلسلے میں جو اپنے مکروفریب اور اپنی حیلہ گری کے لئے غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں۔

واقعہ احزاب سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ یہودیوں کی اس جماعت میں صاحبانِ عقل و دانش کی بڑی کمی تھی ورنہ یہ لوگ سیاسی اعتبار سے بھی اپنی موجودیت کی حفاظت کرسکتے تھے اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کو اسلام اور شرک سے جڑی ہوئی دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت سے وابستہ بھی نہ ہونا پڑتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ محمد اور سپاہ عرب کے درمیان ہونے والی جنگ کا دور سے تماشہ دیکھتے اور جو بھی جماعت اس جنگ میں کامیاب ہوتی وہ ان کے وجود وان کی سرداری وقیادت کو بہر حال تسلیم کر لیتی۔

لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ”حیی بن اخطب“ کی چرب زبانی کی وجہ سے دھوکہ کھا کر سپاہ عرب سے وابستہ ہوگئے اور ان کی بدنصیبی میں اس وقت اور اضافہ ہوگیا جب تقریباً ایک ماہ تک سپاہ عرب کے ساتھ تعاون کے بعد ان لوگوں نے آخر کار قریش کی مدد سے دستبرداری اختیار کر لی اور ”نعیم بن مسعود“ کے ڈرامائی منصوبہ سازی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے قبیلہ قریش کے پاس یہ پیغام روانہ کردیا کہ جب تک تم لوگ اپنے قبیلے کے کچھ بڑے لوگوں کو یرغمال کی حیثیت سے ہمارے سپرد نہیں کردیتے ہم لوگ محمد کے خلاف معرکہ آرائی میں تم لوگوں کی مدد ہرگز نہ کریں گے۔

درحقیقت اس موقع پر یہ لوگ غیر معمولی کسمپرسی کے عالم میں تھے۔ ان لوگوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک طرف تو یہ لوگ محمد کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ قریش سے قطع تعلقات کرلیں گے تو ممکن ہے کہ سپاہ عرب اپنی کمزوری کی وجہ سے معرکہ آرائی سے پرہیز اختیار کرتے ہوئے میدان جنگ سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوجائے اور ایسی صورت ”قبیلہ بنی قریظہ“ کے لوگ مسلمانوں کے چنگل میں پھنس جائیں گے۔

اگر ان لوگوں کے پاس صحیح سیاسی منصوبہ ہوتا تو سپاہ عرب سے علیحدگی کے فوراً بعد ان لوگوں نے اپنی معاہدہ شکنی کے لئے ندامت وشرمندگی ظاہر کردی ہوتی اور محمد کے سامنے اپنی معذرت پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کی فتح وکامیابی کے بعد انھیں جس خطرے کا احتمال تھا

اس سے پوری طرح محفوظ ہوجاتے۔ لیکن اس کو ان لوگوں کی بدبختی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ قریش سے علیحدہ ہوگئے اور دوسری طرف مسلمانوں سے بھی ان کا کوئی سروکار نہ رہ گیا۔

سپاہ عرب کی روانگی کے بعد پیغمبر اکرم ''بنی قریظہ'' والوں کو ان کے حال پہ ہرگز نہیں چھوڑ سکتے تھے کیونکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ سپاہ عرب مناسب موسم میں مزید جنگی سازوسامان کے ساتھ مدینہ پہ فتح وکامیابی حاصل کرنے کا منصوبہ بنالے اور اسلام ومسلمانوں کے اس گھریلو دشمن کی مدد سے اسلام کے وجود کے لئے دوبارہ ایک بڑا خطرہ کھڑا ہوجائے لہٰذا بنی قریظہ کی اس پریشانی سے نجات حاصل کرنا اور اس گتھی کو پوری طرح سلجھا دینا مسلمانوں کے لئے لازمی ہوگیا۔

ابولبابہ کی خیانت:

قلعہ کے محاصرہ کے بعد قبیلہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے پیغمبر سے درخواست کی کہ ابولبابہ اوسی کو بھیج دیں تاکہ وہ لوگ ان سے مشورہ کرسکیں۔ واضح رہے کہ ابولبابہ نے اس سے قبل بنی قریظہ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کررکھا تھا۔ جیسے ہی وہ قلعہ کے اندر داخل ہوئے، یہودی مردوزن ان کے اردگرد جمع ہوگئے اور سب نے گریہ وزاری شروع کردیا۔ اس کے بعد ان سے پوچھا ''کیا ایسے حالات میں ہم لوگوں کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ غیر مشروط طور پر اپنے ہتھیار ڈال دیں۔''؟

ابولبابہ نے ان لوگوں کو جواب دیتے ہوئے کہا: ہاں، مصلحت یہی ہے کہ'' لیکن یہ جملہ ادا کرتے ہوئے انھوں نے گلے کی طرف اس طرح اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ اگر تم لوگوں نے ہتھیار ڈال دیا تو قتل کردیے جاؤ گے۔ ابولبابہ کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ پیغمبر اکرم یہودیوں کے اس انتہائی خطرناک گروہ کی موجودگی کے سلسلے میں ہرگز موافقت نہ کریں گے کیونکہ یہ لوگ توحیدی دین وآئین کے لئے بہت بڑا خطرہ بن چکے تھے۔ لیکن

ابولبابہ" نے دین اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے حق میں جو خیانت کی تھی اس پر وہ شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کے معمولی اشارہ کی وجہ سے یہودیوں کو مسلمانوں کا راز معلوم ہوگیا اور وہ لوگ ہوشیار ہوگئے۔ اپنی اس خیانت آمیز حرکت پر غیر معمولی شرمندگی کے ساتھ وہ کانپتے ہوئے قلعہ سے باہر آئے۔ ان کا چہرہ بالکل زرد ہوگیا تھا۔ قلعہ سے باہر نکلتے ہی وہ سیدھے مسجد کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں انھوں نے مسجد کے ایک ستون سے خود کو بندھواتے ہوئے خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ التجا کی کہ جب تک تو میرے اس گناہ کو معاف نہ کردے گا میں اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اسی عالم میں مسجد کے ستون سے بندھا رہوں گا۔

مفسرین کا بیان ہے کہ ابولبابہ کی خیانت کے سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! خدا اور رسول اور ان امانتوں کے سلسلے میں جو تمھیں سپردگی کی گئی ہیں ہرگز جان بوجھ کر خیانت سے کام نہ لینا۔" ابولبابہ کے بارے میں پیغمبر کو اطلاع مل گئی۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ عمل انجام دینے سے قبل وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو بارگاہ خداوندی میں ان کی عفو و معذرت کا مطالبہ پیش کردیتا اور خداوند عالم انھیں معاف بھی کردیتا۔ لیکن اب انہیں اسی عالم میں رہنے دو تاوقتیکہ مغفرت خداوندی ان کے ساتھ شامل حال ہوجائے۔ نماز کے وقت ابولبابہ کی زوجہ آجاتی تھیں اور نماز ادا کرنے کے لئے رسی کھول دیتی تھیں اور نماز ختم ہوتے ہی انھیں دوبارہ مسجد کے ستون سے باندھ دیتی تھیں۔

چھ دن گزر گئے اور ابولبابہ مسجد کے ستون سے بندھے رہے۔ دوسرے دن سحر کے وقت امین وحی پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر اس دن ام سلمہ کے مہمان تھے۔ جبرئیل قرآن کریم کی اس آیت کے ساتھ نازل ہوئے تھے جس میں ابولبابہ کی معافی کی بات کہی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ "ان میں سے دوسری جماعت کے لوگوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے اچھے اور برے اعمال کو ایک دوسرے میں ملادیتا ہے۔ ممکن ہے کہ خداوند عالم ان کی توبہ قبول کرے۔ خداوند عالم تو بڑا رحیم اور بخشش کرنے والا ہے۔"

حضرت مسلمہ نے مسکراتے ہوئے پیغمبر اکرم کے چہرے کی طرف دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے ابولبابہ کی خطا معاف کردی۔ جاؤ ان لوگوں کو یہ خوشخبری سنادو۔ جیسے ہی پیغمبر کی زوجہ نے لوگوں کو یہ بشارت دی لوگ ابولبابہ کی طرف دوڑے تاکہ انھیں آزاد کردیں۔ ابولبابہ نے لوگوں کو رسی نہیں کھولنے دی اور کہا کہ خود پیغمبر اکرم مجھے اپنے ہاتھوں سے آزاد کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پیغمبر نماز صبح ادا کرنے کے لئے مسجد کے اندر تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے ابولبابہ کی رسی کھول کر انھیں آزاد کردیا۔ ے

درحقیقت یہودی مردوزن اور بچوں کی گریہ وزاری کی وجہ سے ابولبابہ نامناسب جذبات کا شکار ہوگئے۔ خیانت کا ر یہودیوں پہ انھیں رحم آگیا اور بے قابو ہوکر انھوں نے مسلمانوں کے راز کو فاش کردیا۔ لیکن ایمانی طاقت اور اپنے مثالی تقویٰ کی وجہ سے انھوں نے اپنی اس غلطی کی تلافی اس انداز سے کرنی چاہی کہ آئندہ ان کے ذہن میں ایسی خیانت کا تصور بھی نہ ابھرنے پائے۔

معاملہ ستون پنجم کا انجام:

ایک دن شناس بن قیس نامی یہودی قلعہ کی نمائندگی کرتے ہوئے پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ دوسرے یہودیوں کی طرح قبیلہ بنی قریظہ والوں کو بھی یہ اجازت دیدیں کہ وہ اپنی جملہ منقول وغیر حاضر املاک کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ پیغمبر نے اس تجویز کو نامنظور کردیا اور ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو غیر مشروط طور پہ ہتھیار ڈال دینا چاہیے۔ شناس نے تجویز میں قدرے ترمیم کرتے ہوئے فرمایا۔" اچھا قبیلہ بنی قریظہ والے اس بات پہ آمادہ ہیں کہ وہ اپنا سارا سازوسامان مسلمانوں کے حوالے کرکے یہاں سے باہر چلے جائیں۔ پیغمبر اکرم نے ان لوگوں کی یہ تجویز بھی نامنظور کردی۔ ۵

سردست سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ان لوگوں کو جملہ تجاویز کیوں ٹھکرادی۔ وجہ پوری طرح واضح ہے کیونکہ قبیلہ بنی النضیر کی طرح ان لوگوں سے قطعی بعید نہیں

تھا کہ مسلمانوں کے تیروں کی رسائی سے باہر نکلنے کے بعد بت پرست عربوں کی تحریک کے بموجب یہ لوگ مسلمانوں کو کسی بڑے خطرے سے دو چار کردیں اور ان کی سازش کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا خون ہو جائے۔لہٰذا پیغمبر نے ان لوگوں کی کوئی بھی تجویز قبول نہیں کی۔آخر کار شاس ناامیدی اور مایوسی کے ساتھ واپس چلے گئے اور ساری بات اعلیٰ یہودی عہدیداروں کے سامنے بیان کردی۔

آخر کار قبیلہ بنی قریظہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی طرح کی شرط یا پابندی کے بغیر مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں یا بعض دیگر مورخین کے قول کے مطابق ان لوگوں کے ہم معاہدہ ''سعد معاذ'' ان لوگوں سے جو کچھ کہیں اسے وہ فوراً قبول کرلیں۔بہر حال قلعہ کا دروازہ کھل گیا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ایک مخصوص ستون کے ساتھ قبیلہ کے اندر داخل ہوگئے اور ان لوگوں کے ہتھیار ضبط کر کے انھیں ''بنی النجار'' کے گھروں میں قید کردیا تا کہ پیغمبر اکرم ان لوگوں کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ صادر فرمائیں۔

چونکہ اس سے قبل جب ''بنی قینقاع'' کے یہودیوں کو سپاہ اسلام نے قید کیا تھا تو قبیلہ خزرجیان کی مداخلت بالخصوص ''عبد اللہ ابی'' کی سفارش کی وجہ سے انھیں معافی حاصل ہوگئی تھی اور انھیں قتل نہیں کیا گیا تھا لہٰذا خزرجیان کے ساتھ اپنی دیرینہ رقابت کی وجہ سے ''اوسیان'' نے سپاہ اسلام پر یہ دباؤ ڈالا کہ ان کے ساتھ پہلے سے موجود معاہدہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ''بنی قریظہ'' کو بھی معاف کردیا جائے۔پیغمبر نے ان لوگوں کے مطالبات کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں اس بات کا فیصلہ تمہارے قبیلے کے بزرگ و سردار ''سعد معاذ'' کے سپرد کئے دیتا ہوں۔اس معاملے میں وہ جو کچھ فیصلہ کردیں گے اسے میں قبول کرلوں گا۔'' تمام حاضرین نے پیغمبر کی اس تجویز کو خوشی خوشی قبول کرلیا۔

سب سے بڑی دلچسپ بات تو یہ تھی کہ سعد معاذ کی داوری و عدالت کو بنی قریظہ نے تسلیم کرلیا تھا۔شیخ مفید اور ابن ہشام کی روایت کے مطابق بنی قریظہ کے یہودیوں نے پیغمبر

کی خدمت میں یہ پیغام ارسال فرمایا تھا۔" تنزل علی حکم سعد معاذ "یعنی ہم لوگ سعد معاذ کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہیں۔"۹

اس زمانے میں سعد معاذ "زبیدہ" نامی خاتون کے خیمہ میں زیر علاج تھے جو ایک ماہر جراح کی حیثیت سے مشہور تھی۔ واضح رہے کہ سعد معاذ کا ایک ہاتھ زخمی ہوگیا تھا اور پیغمبر کبھی کبھی ان کی عیادت کے لئے بھی جایا کرتے تھے۔ قبیلہ اوس کے نوجوان خصوصی شان وشوکت کے ساتھ اپنے قبیلے کے سردار کو پیغمبر کی خدمت میں لے آئے۔ جس وقت سعد اس مجلس میں داخل ہوئے پیغمبر نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کو اپنے خانوادہ کے بزرگ کا احترام کرنا چاہئے۔ چنانچہ مجلس میں موجود تمام حاضرین سعد معاذ کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا احترام بجا لائے۔ سعد کے ساتھی راستہ میں ہی ان سے باربار اپنا یہ مطالبہ دہرا رہے تھے کہ بنی قریظہ کے حق میں نیکی کیجئے گا اور ان لوگوں کو موت کے خطرے سے نجات فراہم کردیجئے گا۔ لیکن سعد نے اپنے قبیلے والوں کی تجویز کے خلاف یہ فیصلہ سنایا کہ" جن لوگوں میں جنگ کرنے کی صلاحیت ہے انھیں پھانسی دیدی جائے ان کا مال تقسیم کردیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کرلیا جائے۔"۱۰

سعد معاذ کے مدارک کا تجزیہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر قاضی کے جذبات واحساسات اس کی عقل پر غالب ہوجائیں تو اس کا عدالتی نظام درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے اور آخر کار سماج کا شیرازہ منتشر ہوجاتا ہے۔ جذبات درحقیقت جھوٹی بھوک کی مانند ہوتے ہیں۔ اور ایسی حالت میں نامطلوب ونقصان دہ چیزیں مفید اور سودمند معلوم ہونے لگتی ہیں چاہے عقل پر جذبات کے اس غلبہ کی وجہ سے معاشرہ کے انفرادی یا اجتماعی مفاد ومصالح پوری طرح پامال ہی کیوں نہ ہوجائیں۔

درحقیقت سعد معاذ کے جذبات قبیلہ بنی قریظہ کے بچوں اور ان کی عورتوں کے دلخراش مناظر اور قید خانہ میں اذیت ناک زندگی بسر کرنے والے ان کے مردوں کے ناگفتہ بہ

حالات اور اوسیان کے عمومی افکار سے بہت متاثر تھے جو بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ مطالبہ کررہے تھے کہ قاضی کو ان لوگوں کی خطا معاف کردینی چاہئے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ قاضی پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں کے درمیان قاضی ایسا قابل قبول فیصلہ کرے جس کی بنیاد ایک اقلیت کے مصالح کو یعنی بنی قریظہ کے مفاد ومصالح کو اکثریت کے یعنی عام مسلمانوں کے مصالح پر ترجیح نہ ہو اور بنی قریظہ کے ظالموں اور مجرموں کو آزادی فراہم کردی جائے یا ان کی سزاوں میں زیادہ سے زیادہ تخفیف ورعایت کردی جائے۔ دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قاضی کو مذکورہ دومطالبات میں سے کسی کے ایک سامنے بہر حال سر تسلیم خم کردینا تھا۔ لیکن عقل ومنطق، آزادی واستقلال اور عمومی مصالح کی نگہداشت جیسے بنیادی اصولوں نے قاضی کی بھرپور رہنمائی کی اور اس نے قبیلہ بنی قریظہ کے جنگجو مردوں کے قتل، ان کے املاک کی ضبطی اور ان کی عورتوں وبچوں کی اسیری کا حکم صادر کردیا۔ اپنے فیصلے میں قاضی نے درج ذیل باتوں پر خصوصی توجہ دی۔

۱۔ بنی قریظہ کے یہودیوں نے کچھ ہی دنوں قبل پیغمبر سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغاوت کریں، مذہب توحیدی کے دشمنوں کی مدد کریں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ وشورش برپا کریں اور مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی تحریک چلائیں تو مسلمانوں کو انھیں قتل ونابود کردینے کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔ ۱۱ چنانچہ قاضی نے غیر معمولی غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر میں اس معاہدہ کی روشنی میں ان لوگوں کے خلاف حکم صادر کروں تو اس سے عدل وانصاف کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔

۲۔ معاہدہ شکن جماعت عرب فوجیوں کے نیزہ کی نوک کے سایہ میں شہر مدینہ کو ایک لمبی مدت تک بدامنی کے مرکز میں تبدیل کیے رہی اور مسلمانوں پر رعب ودبدبہ قائم رکھنے کے لئے ان کے گھروں پر حملے بھی کرتی رہی اور اگر پیغمبر اکرم نے شہر میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے کچھ مسلح نوجوانوں کو شہر کے مختلف علاقوں میں تعینات نہ کردیا ہوتا تو بنی قریظہ کے

یہودیوں کو اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی اور وہ مسلمانوں بالخصوص سپاہ اسلام کے جانبازوں کو بڑی آسانی سے قتل کر ڈالتے ، ان کی جائدادوں پر اپنا قبضہ جمالیتے اور ان کے گھر والوں کو قیدی بنالیتے چنانچہ سعد معاذ نے سوچا کہ اگر میں ان لوگوں کے حق میں ایسا فیصلہ صادر کروں تو یہ حق وعدالت کے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔

۳۔قبیلہ اوسیان کے سردار سعد معاذ نے قبیلہ بنی قریظہ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا اور دونوں قبیلوں کے درمیان گہری قربت اور دوستی پائی جاتی تھی اور اس بات کا قوی احتمال پایا جاتا تھا کہ وہ یہودیوں کے قوانین سے بھی باخبر ہوں۔ اس سلسلے میں توراۃ میں جو عبارت درج ہے وہ ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

”جب تم لوگوں نے کسی شہر پر حملہ کا ارادہ کرلیا ہوتو پہلے اس شہر کے لوگوں کو صلح کی دعوت دو۔ اگر وہ لوگ صلح کے بجائے جنگ پر کمر بستہ ہوں تو شہر کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلو اور شہر پر قبضہ حاصل کرتے ہی تمام مردوں کو قتل کر ڈالو اور تمام عورتوں ، بچوں ، جانوروں اور دیگر املاک وجائدادوں کو مال غنیمت میں شامل کرلو“ [۲۱] سعد معاذ نے شاید یہ سوچا ہو کہ مجھ کو جماعتوں نے اپنا قاضی منتخب کیا ہے۔ پس اگر میں حملہ آوروں کو خود انھیں کے قوانین کی پیروی کرتے ہوئے سزا دیتا ہوں تو عدل وانصاف کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔

۴۔ہمارا خیال ہے کہ اس فیصلے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سعد معاذ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ رسول خدا نے قبیلہ خزرجیان کی درخواست پر قبیلہ بنی قینقاع کے یہودیوں کی خطاؤں کو درگزر کردیا تھا اور صرف اس بات پر اکتفا کرلی تھی کہ وہ لوگ مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ ابھی یہ لوگ سرزمین اسلام سے پوری طرح خارج بھی نہ ہوئے تھے کہ کعب اشرف مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے مقتولین ”بدر“ پر مگرمچھ کے آنسو بہائے اور جب تک قریش کو مسلمانوں کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی کے لئے آمادہ نہیں کرلیا سکون سے نہیں بیٹھا۔ ”جنگ احد“ اسی کوشش کا نتیجہ تھی جس میں ۷۰ فرزندان اسلام نے جام شہادت نوش

کیا تھا۔

اسی طرح قبیلہ بنی النضیر کے یہودیوں کو بھی پیغمبر اکرم نے معاف کردیا تھا لیکن ان کی ان مہربانیوں کے جواب میں یہودیوں نے ایک "متحدہ فوجی محاذ" کی تشکیل کے ذریعہ جنگ احزاب کی زمین ہموار کرلی جس میں اگر پیغمبر کی فوجی مہارت نہ ہوتی اور منصوبۂ خندق کے ذریعہ کام نہ لیا گیا ہوتا تو جنگ کے ابتدائی مرحلہ میں ہی اسلام کا شیرازہ منتشر ہوگیا ہوتا، اسلام کا نام ونشان بھی باقی نہ رہ گیا ہوتا اور ہزاروں لوگ قتل ہوگئے ہوتے۔

یہ تمام حقائق سعد معاذ کی نگاہوں کے سامنے تھے اور گذشتہ تجربات اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ظاہری جذبات کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور ہزاروں افراد کے مفاد ومصالح کو مٹھی بھر اقلیت کی دوستی پر نچھاور کردے کیونکہ یہ بات مکمل یقین واعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مستقبل قریب میں یہودیوں کی جماعت عرب طاقتوں کو اسلام کے خلاف بھڑکا کر اسلام کے مرکزی ڈھانچے اور بنیادی وجود کے لئے ایک بڑا اور زیادہ مہلک خطرہ کھڑا کردے گی۔ لہٰذا اس جماعت کی موجودگی کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سو فیصدی نقصاندہ اور ہلاکت آمیز قرار دیدیا اور اس یقین کا اظہار بھی کیا کہ اگر یہ جماعت مسلمانوں کے زد سے باہر چلی گئی تو ایک لحہ کے لئے بھی سکون و اطمینان کے ساتھ نہ بیٹھے گی اور مسلمانوں کو زیادہ بڑے اور خوفناک خطرے میں ڈال دے گی۔

اگر یہ پہلو نہ بھی ہوتے تو بھی رائے عامہ کو ہموار کرنا سعد معاذ کے لئے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑے قبیلے کے سردار کی حیثیت سے اسے اپنے عوام کی حمایت وطرفداری کی اہم ضرورت ہوا کرتی ہے اور رائے عامہ کی تردید وان کی خواہشات کی طرف سے لاپرواہی ایک جماعت کے قبیلے کے سردار کے لئے بہت بڑا نقصان ثابت ہوسکتی ہے۔ لیکن اس نے ان تمام مطالبات کو مسلمانوں کے مفاد ومصالح کے خلاف تشخیص کرتے ہوئے اپنے لئے عوام کی ناراضگی مول لے لی لیکن عقل ومنطق سے منہ نہیں موڑا۔ ذیل میں

سعد معاذ کی تشخیص کی صداقت اور باریک بینی کے بعض شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔

جس وقت ان یہودیوں کو قتل کے لئے قتل گاہ کی طرف لے جا رہے تھے وہ لوگ کسی قسم کی ندامت وشرمندگی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے باقاعدہ اپنی کینہ پروری کا اعلان کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔قتل گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے جیسے ہی حی بن اخطب نے راستہ میں پیغمبرؐ کو دیکھا تو کہنے لگا ''میں تمہارے خلاف اپنی کینہ پروری پر ہرگز شرمندہ نہیں ہوں بلکہ جس کو خدا ذلیل کرے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔''۱۳؎ اس کے بعد اس نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔'' خداوند عالم کے حکم سے پریشان مت ہو۔بنی اسرائیل کی یہ ذلت و رسوائی یقیناً خداوند عالم کی طرف سے ہے۔''

ان میں سے ایک عورت کو بھی پھانسی دی گئی تھی کیونکہ اس نے ایک بڑے پتھر سے ایک مسلمان کو قتل کر ڈالا تھا۔موت کی سزا پانے والے لوگوں میں سے '' زبیر باطا'' نامی شخص کو '' ثابت بن قیس'' جیسے مسلمانوں کی سفارش پر آزاد کر دیا تھا اور اس کے گھر والوں کو بھی قید سے آزاد کر دیا گیا تھا۔قبیلہ بنی قریظہ کے چار یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکال کر، جو درحقیقت '' اسلامی ادارہ مالیات'' کے سپرد کر دیا جاتا تھا، باقی املاک مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئیں۔ چار میں سے تین حصہ سواروں اور ایک حصہ پیادہ سپاہیوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا۔پیغمبر اسلامؐ نے مال غنیمت سے حاصل شدہ خمس کی رقم کو زید کے حوالے کر دیا تا کہ وہ نجد جا کر ان اشیاء کی فروخت کے بعد جو رقم حاصل ہو اس سے لازمی ہتھیار اور دیگر ساز وسامان لے کر آ جائیں تا کہ جنگ کی صورت میں سپاہ اسلام کو خفت ورسوائی نہ جھیلنی پڑے۔ اس طرح ہجرت کے پانچویں سال ۱۹ ذی الحجہ کو بنی قریظہ کا کام تمام ہو گیا اور سورۂ احزاب کی ۲۶ ویں اور ۲۷ ویں آیات کریمہ ''بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔سعد معاذ، جو جنگ خندق کے دوران زخمی ہو گئے تھے، بنی قریظہ کے اس حادثہ کے بعد اسی زخم کی وجہ سے درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حوالے:

۱۔پیغمبر کے منادی نے یہ اعلان کیا۔" من کان سامعاً مطیعا فلا یصلین العصر الا ببنی قریطہ۔"

۲۔ھل اخزاکم اللہ وانزل علیکم نعمۃ۔

۳۔سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۲۳۴

۴۔سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۲۳۵

۵۔یا ایھا الناس...... انتم تعلمون۔" سورہ انفال آیت ۲۷

۶۔وآخرون اعترفوا.........ان اللّٰہ غفور الرّحیم۔" سورہ توبہ آیت ۱۰۲

۷۔سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص۔ ۲۳۷

۸۔"ارشاد"۔ ۵۰

۹۔سیرہ بن ہشام جلد ۲ ص ۲۴۰، مغازی واقدی جلد ۲ ص۔ ۵۱۰

۱۰۔اس معاہدہ کا متن، جس پر قبیلہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے دستخط کیا تھا، پہلے نقل کیا جاچکا ہے۔

۱۱۔توارات سفر تثنیہ فصل ۲۰

۱۲۔اماد اللہ مالعت فی عداوتک ولکن من یخذل اللہ یخذل۔" تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۵۰

۱۳۔سیرہ ابن ہشام جلد دوم ص۔ ۲۵۰۔۲۵۴

ڈاکٹر شاہد اقبال

ہندوستان میں
"ہمدان" کے چند صوفیائے کرام

ہندوستان میں خطہ ایران اور وسط ایشیاء کے مختلف شہروں سے صوفیائے کرام جوق درجوق تشریف لائے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ایران کے شہر "اصفہان" میں پیدا ہوئے، لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ ہندوستان کے ایک چھوٹے سے شہر اجمیر شریف تشریف لائیں گے، جہاں کفر وظلمت کی ردا ان کے ہاتھوں چاک ہوگی اور جہاں لاکھوں افراد ان کے دست حق پر مشرف بہ اسلام ہوں گے۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ ایران کے شہر سمنان سے اترپردیش کے ضلع فیض آباد کے قصبہ کچھوچھہ شریف تشریف لائے۔ اسی طرح حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ کا وطن وسط ایشیاء کا شہر کاشغر تھا۔

بالکل اسی طرح ہمدان کی سرزمین سے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کرنے والے صوفیائے کرام میں حضرت سید امیر مسعود ہمدانیؒ حضرت سید موسیٰ ہمدانیؒ، حضرت سید احمد چرم پوش ہمدانیؒ اور حضرت سید علی ہمدانیؒ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ یہ وہ صوفیائے کرام ہیں جنہوں نے بنگال، آسام بہار، اترپردیش، تبت، نیپال اور کشمیر میں اسلام کی شمع روشن کی ہیں۔ ذیل میں مذکورہ بالا صوفیائے کرام کے احوال وآثار کا خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ حضرت سید امیر مسعود ہمدانیؒ (المتوفی۔ ۶۳۵ھ)

آپ کی ولادت ہمدان (ایران) میں ہوئی۔ تذکرہ نگاروں نے آپ کے والد کو

بادشاہ وقت اور عالم بھی لکھا ہے۔ چنانچہ جب آپ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے والد انھیں شاہی مدرسہ لے گئے اور معلم کے سپرد کر دیا۔ معلم نے بسم اللہ شریف پڑھانے کے بعد کہا پڑھو ''الف'' آپ نے پڑھا ''الف'' پھر معلم نے کہا پڑھو۔ ''ب'' آپ نے فرمایا جس نے ''الف'' پڑھ لیا۔ اس کو ''ب'' پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ''الف'' ہی اصل چیز ہے پھر آپ نے ''الف سے ''الف'' اور کئی ایک معنی بیان فرمایا۔ معلم کو معلوم ہوگیا کہ یہ لڑکا اولیاء کاملین میں سے ہوگا۔ بہر حال آپ نے علم ''ہمدان'' ہی میں حاصل کیا۔

ابھی بیس سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ کے سر سے سایہ پدری اٹھ گیا۔ چنانچہ ''ہمدان'' کے تمام امراء جمع ہوئے اور آپ کو تخت شاہی پر بٹھایا، چند ماہ بعد تخت وتاج چھوڑ کر پیر کی تلاش میں نکل گئے۔ عراق اور شام کے مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ ''ملتان''، اس زمانے میں صوفیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہاں بڑے بڑے صوفیائے کرام موجود تھے۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ حضرت وحید الدین کرمانیؒ حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (م۔ ۶۳۳ھ) حضرت خواجہ اسحاق چشتیؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (م۔ ۶۶۸ھ) وغیرہ۔ آپ نے ہر ایک سے مصافحہ فرمایا۔

اس زمانے میں دہلی کے بادشاہ شمس الدین التمش (م۔ ۶۳۳ھ) تھے ان کے حکم پر حضرت سید امیر مسعود ہمدانیؒ نے الف، ب، ت، ث اور کلمہ توحید پر بڑی پر زور تقریر کی۔ آپ کی تقریر نے وہ اثر دکھایا کہ سامعین جھوم اٹھے اور لوگوں کو عجیب سرور حاصل ہوا۔

سلطان شمس الدین التمش، حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مرید تھے۔ سب مل کر آپ کو حضرت بابا فرید گنج شکر (م۔ ۶۶۸ھ) کی خدمت میں لے گئے اور انھوں نے خلافت کا تاج فقر انی عطا کیا۔

حضرت سید امیر مسعود ہمدانی نے اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ (شیخ شاہ حسین مدنیؒ

اور سید برہان الدین بخاریؒ) مشرقی ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ بنگال جو کفر وظلمت کے اندھیرے میں گم تھا وہاں شمع اسلام روشن کی اور لاکھوں تاریک دلوں کو منور کیا۔ بعد ازاں آپ نے علاقہ اودھ کے ضلع فیض آباد بھیاؤں شریف میں قیام فرمایا۔

آپ کا وصال ۲۴ محرم الحرام ۶۳۵ھ بعد نماز ظہر ہوا اور اسی قصبہ بھیاؤں شریف میں آپ کا مدفن ہے۔ آپ کے روضہ مبارک پر شاندار سبز گنبد والی عمارت قایم ہے۔

حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر نے فرمایا شیخ مسعودؒ بڑے بزرگ باتصرف اور باکرامات ہیں۔ جو شخص اس طرف (جانب مشرق) سے میری زیارت کے لئے آئے تو بغیر شیخ مسعود کی زیارت کے نہ آئے۔ ورنہ ایسے آدمی سے میں بیزار ہوں۔ (بحوالہ بحر ذخار، جلد اول صفحہ نمبر ۶۱۶)

۲۔ حضرت سید موسیٰ ہمدانیؒ

نسب نامہ میں آپ کا نام سید سلطان موسیٰ کاظم ہمدانی بھی لکھا ہے۔ آپ ہمدان (ایران) کے صاحب ثروت واقتدار تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کو ہمدان کا حکمران بھی لکھا ہے۔ آپ نے عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ کر راہ فقر اختیار کی اور ہندوستان کا رخ اختیار کیا۔ حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ (المتوفی ۔ ۶۶۰، مدفن ہجی درگاہ جھل شریف، پٹنہ (بہار) کی صحبت اختیار کی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت پیر جگجوتؒ صوبہ بہار کا قدیم صوفی خانوادہ حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ ہی کی نسل سے ہے۔ حضرت کی چار صاحبزادیاں تھیں اور سب کی سب ولیہ کاملہ تھیں۔

(۱) بڑی بیٹی حضرت بی بی رضیہؒ زوج حضرت مخدوم احمد یحییٰ منیریؒ بن شاہ اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہؒ جن سے چار بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئیں۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ آپ ہی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔

(۲) منجھلی بیٹی بی بی حبیبہؒ زوجہ مخدوم سید موسیٰ ہمدانی جن سے مشہور سہروردی بزرگ سید احمد چرم پوش ہوئے۔

(۳) تیسری بیٹی بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال زوجہ حضرت سلیمان لنگر زمین بن مخدوم عبدالعزیز بن امام محمد تاج فقیہؒ جن سے ایک بیٹا مخدوم عطاء اللہ اور ایک بیٹی بی بی کمالؒ (ہم نام والدہ) ہوئیں۔ جلیل القدر سہروردی بزرگ حضرت حسین دھکڑپوش آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔

(۴) چھوٹی بیٹی بی بی جمال زوجہ شیخ حمید الدین بن حضرت مخدوم آدم صوفیؒ (خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) ان سے حضرت مخدوم یتیم اللہ سعید بازؒ ہوئے جس نے سید موسیٰ ہمدانیؒ کا نکاح اپنی دوسری صاحبزادی بی بی حبیبہؒ سے کیا تھا۔ جن سے تین صاحبزادگان تھے۔ سید احمدؒ سید محمد اور سید محمودؒ۔

حضرت سید احمد چرم پوش سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ ہیں اور آپ کا مزار مبارک درگاہ انبیر (بہار شریف) میں ہے۔ جبکہ ان کے بھائی سید محمدؒ اور سید محمودؒ کے مزارات شہر ہمدان (ایران) میں ہیں۔

حضرت سید موسیٰ ہمدانیؒ کے سال وفات کا صحیح علم نہیں ہے کہا جاتا ہے کہ آپ کا مزار بہار شریف کے جوار (عمار پور سڑک کے قریب کھیت میں) واقع ہے۔ لیکن نشان مٹ چکا ہے۔

۳۔ حضرت مخدوم سید احمد ہمدانی چرم پوشؒ (م۔ ۷۷۶ھ)

آپ کی پیدائش ہمدان میں ہوئی تھی لیکن پروفیسر سید حسین عسکری نے شک کا اظہار کیا اور لکھا ہے کہ ان کی ولادت بہار ہی میں ہوئی ہوگی۔ آپ کے والد کا نام حضرت سید موسیٰ ہمدانیؒ اور والدہ بی بی حبیبہؒ بنت حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ تھیں۔ آپ مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (المتوفی ۷۸۲ھ مدفن بہار شریف) کے خالہ زاد بھائی بھی

تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم ہمدان میں ہوئی تھی اور بعض روایتوں کے بہ موجب اعلیٰ تعلیم کے لئے بغداد گئے تھے اور علماء و فضلاء سے استفادہ کیا اس کے بعد ہمدان لوٹ آئے۔ پھر اپنے والد کی طرح تلاش حق میں سیر و سیاحت اختیار کی اور ملتان پہنچے۔ جہاں خدا رسیدہ بزرگ حضرت علاو الدین علاالحق سہروردیؒ سے ملاقات ہوئی ان سے مرید ہوئے اور ان کی سرپرستی میں روحانی ریاضت کے مراحل طے کئے پھر اپنے مرشد کی ہدایت پر تبت کا سفر کیا اور لاسہ پہنچے ایک روایت کے مطابق وہ نیپال آئے۔ بہر حال نیپال ہو یا تبت، آپ نے اشاعت اسلام کی راہ میں صعوبتیں برداشت کیں اور آپ نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں شمع ہدایت روشن کی۔ آپ نے چالیس سال تک بند کنوئیں میں چلہ کشی بھی کی۔

آپ کا لقب چرم پوش تھا۔ یہ چمڑا اس مخصوص دنبہ کا تھا جو حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ قربان ہوا تھا۔ آپ نے حضرت حسن پیارے ملتانیؒ سے وہ چمڑا بڑی عاجزی سے مانگ لیا تھا اور اس کو درمیان سے چاک کر کے گلے میں ڈال لیا تھا آپ کا انتقال ۲۶/صفر ۷۶۱ھ کو بہار شریف میں ہوا، مزار مبارک امیر درگاہ (بہار شریف) میں ہے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۱۱۸ سال تھی۔ آپ مخدوم جہاں شرف الدین یحییٰ منیری سے عمر میں چار سال بڑے تھے اور مخدوم جہاں سے چھ سال قبل وصال فرمایا۔

آپ قادر الکلام اور پر گو شاعر بھی تھے۔ "دیوان احمدی" آپ کی مطبوعہ یادگار ہے اس کے علاوہ ایک ملفوظ بنام "ضیاء القلوب" دستیاب ہے۔

۴ حضرت سید علی ہمدانیؒ عرف شاہ ہمدان یا علیؒ ثانی (م۔ ۷۸۶ھ)

حضرت سید علی ہمدانیؒ اپنے وطن ہمدان سے نکل کر کشمیر میں قدم رنجہ فرمایا تو ہندو اور بودھ مذہب پر ایمان رکھنے والے ۳۷ ہزار افراد نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ کی پیدائش ۷۱۴ھ میں بمقام ہمدان ہوئی تھی۔ بیس سال کی عمر میں سیاحت کی غرض سے نکلے اور اکیس سال تک مختلف ممالک کی سیر کرتے رہے بعد ازاں وہ اپنے مولد ہمدان واپس آئے اور

تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ تقریباً سات سال تک قیام کرنے کے بعد آپ ۴۶ سال کی عمر میں ۷۶۰ھ میں ختلان ہجرت کر گئے اور یہی وہ زمانہ تھا جب انہوں نے اپنے چند ساتھیوں کو دعوت دین کی غرض سے کشمیر روانہ کیا۔ ۷۷۳ھ میں امیر تیمور جیسے جابر بادشاہ سے میر سید علی ہمدانیؒ کی ملاقات ہوتی ہے۔ آپ اسے ظلم و جبر سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ امیر تیمور ان کی نصیحت قبول تو کیا کرتا البتہ انہیں قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ لہٰذا اب سید علی ہمدانی کے سامنے ہجرت نبوی کی سنت پر عمل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ۷۷۴ھ میں کشمیر ہجرت کر گئے۔ حضرت میر سید علی ہمدانی کی وفات ۷۲ سال کی عمر میں ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ آپ کے مرید آپ کا جنازہ ختلان لے گئے جو اب تاجکستان کا ایک حصہ ہے۔ جسے اب ''کولاب'' کہا جاتا ہے۔

حضرت سید علی ہمدانیؒ کی نمایاں خصوصیت سلطان جابر کے سامنے ان کی حق گوئی و بے باکی تھی اور ان کی اس حق گوئی سے تنگ ہو کر امیر تیمور نے انہیں قتل کی دھمکی دے دی تھی۔ لیکن شاہ ہمدانی نے اپنا مشن جاری رکھا اور ایک دوسری سنت نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور انہیں رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی تلقین کی چنانچہ کشمیر کے بادشاہ قطب الدین کو شاہ ہمدان ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''اے عزیز! حرام مت کھا۔ اور کمزوروں کو محروم واپس مت کر'' اس خط میں آگے چل کر شاہ ہمدان بادشاہ کو خبردار کرتے ہیں کہ ''قیامت کے دن عام لوگوں سے نماز اور دیگر فرائض کے بارے میں پرسش ہوگی۔ لیکن حاکموں اور بادشاہوں سے سب سے پہلے ان کے عدل و انصاف کے بارے میں سوال کیا جائے گا'' میر سید علی ہمدانیؒ کی حق پسند فطرت کا اندازہ چند جملوں سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے کشمیر کے ایک دوسرے بادشاہ سلطان غیاث الدین کو اپنے خط میں لکھے ہیں۔

''اگر ساری زمین میں آگ لگ جائے اور آسمان سے تلوار برسنے لگے تو بھی اس

حق کو نہیں چھپاؤں گا اور دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کروں گا۔

شاہ ہمدانی کی نگاہوں میں دنیا کس قدر حقیر تھی اسکا اندازہ ان کی اس گفتگو سے بخوبی ہوسکتا ہے جو امیر تیمور کے ساتھ ہوئی تھی۔ دراصل عوام میں آپ کے زبردست اثر ونفوذ کو دیکھ کر بادشاہان وقت کو یہ وہم ہوگیا تھا کہ آپ اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ امیر تیمور نے آپ سے اپنے اس خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ حصول اقتدار کے لئے یہ سب کر رہے ہیں۔''

شاہ ہمدان نے جواب دیا۔

''سلطنت کے بارے میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک لنگڑا کتا آیا اور اس کو اٹھا لے گیا۔ میں نے اسی وقت سے اپنی توجہ آخرت کی طرف کرلی۔ تیمور! تو اطمینان رکھ میں دنیا کا طالب نہیں ہوں۔''

شاہ ہمدانی کی تصانیف کی کل تعداد ایک سوستر تک بتائی گئی ہے۔ تاہم ان میں ''فتوحات نامہ'' کو زیادہ شہرت ملی، جس میں عبد اور معبود کے حوالے سے شاہ ہمدانی کے عارفانہ خیالات اور صوفیانہ نظریات پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آگئے ہیں۔

شاہ ہمدانی ایک مصلح اور ایک داعی ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک نازک خیال شاعر بھی تھے۔ آپ کی عارفانہ غزلوں کا مجموعہ ''چہل اسرار یا گلشن اسرار کے نام سے مشہور ہے۔

حواشی:

ا۔ تحفہ مسعود مصنفہ عبدالحفیظ مسعودی مطبوعہ تاج آفسیٹ پریس، جلال پور، ضلع امبیڈکر نگر یوپی ۲۰۰۳ء

۲۔ تذکرہ صوفیائے بہار (شرفاء کی نگری) مؤلفہ سید قیام الدین نظامی اسکائی لائن پرنٹنگ پریس، کراچی۔ ۱۹۹۵ء ص نمبر ۱۱۰۔۱۰۹

۳۔ تذکرہ مشائخ بہار مولفہ ڈاکٹر محمد طیب ابدالی خانقاہ اسلام پور (نالندہ) ۲۰۰۳ء جلد اول

ص نمبر ۱۵۷/ ۱۶۴، ۱۵۰-۱۴۹

۴- تذکیر (سہ ماہی مجلہ/ غازی پور) مرتبہ مولانا عزیز الحسن صدیقی بسلسلہ نمبر ۲، ۳، ص نمبر ۴۷، ۴۴

(بحوالہ ۔ تذکرہ مشاہیر غازی پور۔ مؤلفہ مولانا محمد عزیز الحسن صدیقی تبصرہ نگار ۔ ڈاکٹر سید شاہد اقبال)

۵- دیوان (سہ ماہی مجلہ/ پٹنہ) مرتبہ ڈاکٹر سید حسین احمد جلد ۱- شمارہ ۱- ص ۵۵- ۴۲

(بحوالہ مضمون ۔ سلطان احمد چرم پوش اور ان کی شاعری از ڈاکٹر سید شاہ امام الدین)

۶- ضیا وجیہ (ماہنامہ/ رام پور) ایڈیٹر مولانا وجاہت اللہ خاں بابت جولائی اگست ۲۰۰۱ء

(بحوالہ مضمون سید علی ہمدانی از ڈاکٹر رضوان اللہ آروی)

❖❖❖

سید شاہ جمال رضوی نجف کوپالپوری

کوفہ وشام میں
امام سجادؑ کی حکمت عملی

کربلا کے تپتے ذرات، جن میں نہ ظاہری شان وشوکت' نہ کوئی مرتبہ ومنزلت' مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ اب بھی آفتاب کی روشنی میں بے چینی سے تڑپ کر ایک دردناک اور جانکاہ واقعہ کی ترجمان اور بنی امیہ کی وحشیانہ کاریوں پر بھرپور روشنی ڈال رہے ہیں۔ اور ایک دنیا کو خاندان برباد مظلوموں کی بے کسی کا پردرد افسانہ سنا کر متاثر اور دلوں کو منقلب کر رہے ہیں۔

غورطلب بات ہے کہ تاریخ عالم وآدم میں یہ المناک اور کربناک واقعہ کیوں پیش آیا؟ صرف اسی لئے نہ کہ اس وقت روحانیت کا آفاقی نام ونشان مٹ رہا تھا۔ حق وصداقت سے لوگ بری طرح گریزاں تھے اور اسلام کی حقیقی تصویر نگاہوں سے اوجھل ہورہی تھی وحدانیت کی تعلیم کا اثر دل ودماغ سے زائل ہورہا تھا۔ اور باطل منھ اٹھائے ڈسنے کو تیار تھا۔

ایسے پرآشوب زمانے میں ''حسین بن علیؑ'' اسلام اور خانوادۂ اسلام کا حقیقی پرچم لیکر اٹھ کھڑے ہوئے جن کا نصب العین اسلامی روحانیت کی بقا تھا۔ جو ان کی سرمایہ پرستی کے خلاف جنگ کر کے حریت کا سبق آموز نظیر پیش کر رہے تھے۔ جن کو یقین تھا کہ میری ظاہری شکست سے حقیقی فتح وظفر کے پہلو نمایاں ہوں گے۔ اور وہی مظلوم یہ طے کر چکا تھا کہ خواہ اصحاب واعزہ کی مفارقت کا داغ ہو یا دنیا جہاں کا درد برداشت کرنا ہو، برداشت کروں گا مگر اسلام کی تصویر مسخ نہیں ہونے دوں گا اور ہوا بھی یہی۔ بقول شاعر ۔

زمین بدلی ، فلک بدلا، جہاں میں انقلاب آیا
مگر دنیا نہ بدلی شاہ کے عزم مصمم کی

ہاں یہ حقیقت ہے کہ امام مظلوم نے اپنی ابد آثار شہادت کے ذریعہ اسلام کے

عظیم الشان پرچم کو بلند کیا اور باطل کے کریہہ چہرے سے نقاب کشائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی نیز شہادت کے بعد بھی سورہ کہف اور دیگر قرآنی آیتوں کی تلاوت کے ذریعہ حق وباطل کے درمیان واضح ترین لکیریں کھینچی۔ مگر مادی ذہن رکھنے والوں کو باور کرانے کے لئے ضروری تھا کہ ایک صاحب جسم وروح اپنے خطبات وارشادات اور اپنی حکمت عملی کی روشن قندیلوں کے ذریعہ شام وکوفہ کی پست تاریکیوں میں دین وشریعت، حق وصداقت، خیر وبرکت اور بھٹکتی روح کو روشنی عطا کرتا اور اپنے عمل اور واقعی اقدامات سے اسلام کے لئے ہوئے نقوش کی حقیقی اور واضح ترین تصویر کا اصلی عکس دکھاتا۔

سارے محسوسات یہ درک کرنے سے عاجز ہیں کہ شہدائے کربلا کے بعد امام زین العابدینؑ کی حیثیت کیا تھی؟ اس لئے ایک طرف خون شہداء سے لالہ زار قتل نگاہوں میں گردش کررہا تھا تو دوسری طرف کوفہ وشام کی راہوں میں سیدانیوں کی اسیری اور تماشائیوں کا بے بنیاد ہجوم مشاہدے میں تھا۔ ایک ایسی حکمت عملی اپنائی تھی جس سے شہداء کی شہادت کے اسباب وعلل پر بھی بھرپور انداز میں روشنی پڑے اور تماشائیوں کی نگاہوں میں سیدانیوں کی اسیری کے عقدے کھل سکیں اور یزیدیوں کی نیچ حرکتوں کا پردہ فاش ہوسکے۔ یہ کام کس قدر مشکل تھا۔ اس لئے کہ امام مظلوم کی شہادت کے بعد باطل کے اہلکاروں نے خدا کی حقانیت کو مسخ کرنے اور امام کی شہادت پر پردہ ڈالنے کا بیڑا جس طرح اٹھایا اس کا اندازہ لگانا محال ہے۔ ایسے میں تنہا حق کی طرف سے باطل کو زیر کرنا ایک لمحہ فکریہ نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ دیکھیں کہ امام مظلوم کی شہادت اور اہل حرم کے مظالم میں دوہی جماعتیں کارپرداز تھیں۔ ایک اہل کوفہ اور دوسرے اہل شام لہٰذا امام علیہ السلام نے انھیں کے دربار میں واقعات کا حقیقی رخ اور اصل مقصد ومحرک واضح کیا اس میں بھی آپکی حکمت عملی قابل صد تعریف وتوصیف ہے۔ چونکہ اہل کوفہ آپ کی خاندانی جلالت سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔ واضح رہے کہ خاندانی عصمت انکے دل ودماغ میں جاگزین تھی نیز انکو خاندانی حالات

پر بہت زیادہ عبور حاصل تھا۔انھیں پدر بزرگوار حسینؑ مظلوم کی شہادت کے بعد بدلے ہوئے حالات کا بخوبی اندازہ تھا اسی وجہ سے انھوں نے کوفہ میں جو ارشادات وخطبات پیش کیے اس میں اپنے تعارف سے زیادہ واقعات کی اہمیت پر زور دیا کہ کربلا کی سرزمین پر جو واقعہ پیش آیا وہ کس نوعیت کا تھا۔نیز اہل کوفہ کے ضمیروں کو بیدار کیا کہ تم لوگوں نے کس قدر عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

چنانچہ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں حسین بن علی بن ابی طالب کا فرزند علیؑ ہوں۔ ایھا الناس۔! من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا علی من الحسین من علی بن ابی طالب۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی۔جس کا سامان چھین لیا گیا۔جس کے گھروالوں کو قیدی بنایا گیا۔ انا ابن من انتھک حرمته وسلبلت نعمته وانتھب مال وسبی عیاله۔ میں شط فرات کے شہید کا فرزند ہوں جسے بے گناہ مارا گیا اور چاروں طرف سے گھیر کر مارا گیا۔ انا ابن المذبوح بشط فرات من غیر دخل ولا فرات، وانا ابن من قتل صبراً وکفی بذالک الفوا۔

مولا اتنا کہنے کے بعد خاموش نہیں ہوئے بلکہ واقعات کربلا کی شدت کو موثر انداز میں بیان کرتے ہوئے مزید گویا ہوئے اے لوگو! میں تمھیں قسم دیتا ہوں ذرا سوچو کہ تم لوگوں نے میرے پدر بزرگوار کو خط لکھا اور پھر تم نے ہی ان کو دھوکہ دیا۔

ایّھا لنّاس! فاشد تکم الله ھل تعلمون انکم کتبتم الی ابی وخد عتموه۔ اور تمھیں نے ان کے ساتھ عہد وپیمان کیا اور ان کی بیعت کی اور پھر تم نے ہی ان کو شہید کردیا۔ واعطیعتوه عن انفسکم العھود والمیثاق وقاتلتموه۔تمہارا برا ہو کہ تم نے اپنے لئے ہلاکت کا سامان مہیا کرلیا تمہاری راہیں کس قدر بری ہیں۔ فتبارکم لما قد متم لانفسکم سواة لرایکم۔تم لوگ کن آنکھوں سے رسول اللہ کو دیکھو گے۔جب رسول تم سے

یہ کہیں گے کہ تم لوگوں نے میری عترت کو قتل کیا۔ اور میرے اہل جسم کو ذلیل کیا۔ اس لئے تم میری امت میں نہیں ہو۔ بابةلمن تنظرون الی رسول الله اذایقول لکم قتلتم عترتی وانتم حرمتی فلستم من التی۔ ۳۲

ایک دوسری روایت میں بھی آپ کا لب ولہجہ بعینہ مذکورہ روایت جیسا ہے جس میں آپ نے اپنے تعارف سے زیادہ واقعات کربلا کی حقیقت کشائی اور اسیری اہل حرم کے دلسوز سانحے کے بیان کو ضروری خیال فرمایا۔ چنانچہ آپ تمام اہل کوفہ کو سر راہ مخاطب کرتے ہیں۔ اے اہل کوفہ! تم لوگ اس مصیبت پر خوش وخرم نہ ہو جس سے امام حسینؑ دو چار ہوئے ہیں اس لئے کہ یہ امر یعنی قتل امام مظلوم بہت عظیم امر ہے۔ یا اهل الكوفه! فان بالذی اصیب حسین کان ذالک اعظما (حسین علیہ السلام) نہر کے کنارے قتل کئے گئے میری جان ان پر فدا ہو۔ قتبل بشط النهر وروحی فداوه۔ اور جس نے انہیں قتل کیا اس کے لئے دوزخ کی آگ ہوگی۔ جزاء الذی ارداه نارجهنا۔ ۳۳

ان ارشادات کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں سے جو حقائق محو ہوگئے ہیں۔ یا مالی طمع اور بے ایمان حکومت کے زیر اثر بے اعتدالیوں کی وجہ سے لوگوں کے قلوب سے جو معارف گم گشتہ حوادث ہوگئے ہیں وہ پھر سے تازہ دم ہوجائیں اور واقعات کربلا کو سامنے رکھ کر اپنے تعیین حق وباطل کے درمیان فیصلہ دیں۔ آپ کی حکمت اور آپ کا اندازہ جہاد کس قدر کامیاب وکامران تھا کہ قید تحریر سے باہر ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس کلام بلیغ اور نصیحت آمیز کو سن کر لوگوں میں شور گریہ بلند ہونے لگا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ دیکھو تم نے خود ہی اپنی ہلاکت کا سامان کیا۔ اور انجام کار کو قطعی نہ سمجھے۔ اور وہ سب متفق علیہ بول اٹھے۔ اگر آپ فرمائیں تو اس وقت ہم آپ کی حمایت کے لئے آمادہ ہیں۔!!! ۳۴

اگر مادی ذہن والا کوئی عام سا انسان ہوتا تو اپنے باپ کے انتقام کے لئے سب کچھ کرسکتا تھا۔ خاص طور سے اس وقت جب ایک بڑی جماعت حمایت کے لئے آمادہ ہو۔ اس

لئے کہ انتقام کی آگ انسان کو ہر اچھی بری فکر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کے ذہن میں صرف انتقام، انتقام کی آواز گونجتی ہے۔ مگر آپ امام تھے۔ آپ کی حکمت اور زندگی کا ایک ایک لمحہ امامت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ لہٰذا آپ ایک عام انسان جیسا اقدام کیسے کر سکتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ اسوقت آپ بھر پور انتقام لے سکتے تھے لیکن آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوفہ کی راہوں میں خون کی ندیاں رواں ہوں۔ قتل غارت گری کا بازار گرم ہو اگر ایسا ہوتا تو کربلا کا عظیم سانحہ اس کی نذر ہو کر رہ جاتا۔ کربلا کا وہ انفرادی انداز جہاد۔ اور اس میں پنہاں عالمی پیغام پھیکا پڑ جاتا۔ حالانکہ امام حسین نے رہتی دنیا تک اپنی شہادت سے حق کی حمایت کے لئے ایک ناقابل فراموش مثال قائم کی تھی۔ کربلا کا واقعہ ایسا نہیں تھا کہ اسے چند دنوں میں بھلا دیا جاتا چونکہ کربلا کے سانحہ کو ابدی و آثار کا حامل بنانا تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنے دلی جذبات واحساسات کو پرے ڈھکیلتے ہوئے بڑی بے توجہی سے ان کے حمایت بھرے الفاظ کے جواب میں حکمت کی ناقابل فراموش مثال قائم کردی اور انھیں کے قول و فعل کے آئینہ میں انھیں نہایت سخت جواب دیا۔

”اے قوم غدار! تم پر خواہشات نفسانی غالب ہوگئی ہے اور اب تم یہ چاہتے ہو کہ مجھ سے وہی برتاؤ کرو جو اس سے پہلے میرے باپ دادا کے ساتھ کر چکے ہو۔ خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا کیونکہ یہ زخم مندمل ہونے والا نہیں۔ میرے پدر بزرگوار مع اہلبیت کل شہید کئے گئے جس سے جوش گریہ اب بھی میرے ذہن میں ہے اور اس کی تلخی میرے حلق میں اور گریہ و بکا کے گھونٹ میرے سینہ میں ہیں۔ ایسا نہیں تم سے یہی چاہتا ہوں کہ نہ تو تم میرے خیر خواہ رہو اور نہ بد خواہ“۔[۱]

شام میں آپ کا لب ولہجہ اور انداز بیان کوفہ سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں مصائب سے پہلے فضائل و کمالات اہلبیت کا بیان بہت ضروری تھا۔ اس لئے کہ اہل شام واقعاً آپ کے گھرانے کی عظمت سے قطعی بے خبر تھے۔ انھیں یہ علم نہیں تھا کہ اسیران بلا کون لوگ ہیں؟ زنجیروں میں جکڑا ہوا بیمار قیدی حقیقتاً کون ہے؟ یہ خواتین کون ہیں جن کے انداز

والطوار کائنات میں بالکل منفرد تھے؟ بالوں سے پردہ کا بھرپور اہتمام ان کو چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔حقیقتاً ان کے لئے یہ تمیز دشوار تھی کہ اہل حرم کون ہیں ایسا کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان کے دماغ میں تو بس ایک ہی بات سمو دی گئی تھی کہ معاذ اللہ۔ ایک خارجی نے یزید ملعون پر خروج کیا اور نتیجہ میں وہ اور اس کے چند اصحاب قتل کر دیئے گئے۔

اس کا بخوبی اندازہ اس مرد شامی کی گفتگو سے ہوتا ہے جس نے شام کی راہوں میں آپ سے ملاقات کی تھی۔ امام سجادؑ نے اس کے سامنے آیۂ مودت کی تلاوت کی۔ اور پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ آیت میں قربیٰ سے مراد کون لوگ ہیں؟ جب اس شخص نے لاعلمی کا مظاہرہ کیا تو آپ نے اور سخت لہجہ اور شدید انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ نحن واللہ القربیٰ فی ھدی۔ اسی طرح آیت تطہیر کے بارے میں بھی آپ نے فرمایا۔ نحن اھل البیت الذی حضھم اللہ بالتطہیر۔ ۴

جب اس شامی نے آیات کے صحیح تصدیق کو اپنے روبرو اس طرح دیکھا تو بہت مبہوت ہو گیا۔ اور فوری طور پر واضح انداز میں یزید سے اپنی برأت کا اعلان کر دیا۔ ۵

مذکورہ روایت سے اندازہ لگانا مشکل مرحلہ نہیں کہ اہل شام آپ کے گھرانے کی عظمت سے کس طرح بے خبر اور لاعلم تھے۔ یا خارجی کہہ کر لوگوں کو اصل حقیقت سے کس طرح دور کیا گیا تھا۔ایسے میں امام علیہ السلام نے حکمت کے جو آبشار رواں کئے وہ بہرحال آفاقی حیثیت کے حامل ہیں۔ اپنے تعارف اور اہل بیت کی عظمت کو واقعات کے بیان پر فوقیت دی۔ راہ شام میں جتنے بھی خطبے اور ارشادات ہیں ان میں سب سے پہلے احسن طریقہ سے اپنا تعارف کروایا پھر واقعات کی جھلک دکھائی۔

دربار یزید میں بھی آپ کا انداز اس سے مختلف نہیں تھا۔ سات سو کرسی نشینوں، غلاموں اور حالی موالیوں سے بھرے دربار میں حسین انداز و ادا سے اپنے خطبہ کی ابتداء کی جس کے نقوش رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے۔آپ نے خطبہ کی ابتداء کرتے ہوئے کہا۔

یاایھا الناس! اے لوگوں ہمیں چھ صفتیں عطا کی گئیں اور ہمیں سات باتوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہماری صفتیں علم، حلم، فصاحت شجاعت، سخاوت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے۔ اور ہمارے اسباب فضیلت یہ ہیں کہ رسول مختار ہم میں سے ہیں۔ صدیقؑ۔ علیؑ طیار (جعفرؓ) اسد اللہؓ (حمزہ) سیدۃ نساء العالمین (فاطمہؑ) سبطین امت وسیدۃ شباب اہل الجنہ (حسنینؑ) ہمارے ہی بزرگ ہیں۔ جس نے میری معرفت حاصل کرلی۔ اور جس نے مجھے نہیں پہچانا اس سے اپنا تعارف کروا رہا ہوں۔ ۹

اس کے بعد مولا نے اپنا اور اپنے گھرانے کا تعارف شروع کیا جس کا ایک ایک لفظ صدیوں پر بھاری ہے قسم خدا کی کیا لہجہ تھا اور کتنا دلسوز انداز بیان تھا کہ ایک منزل پر آکر سننے والوں میں شور گریہ بلند ہوا۔ ہر شخص اپنا چہرہ چھپائے رونے میں مصروف تھا۔ آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ پچاس برس کے عرصے میں بنی امیہ نے شام والوں کو اپنے غلط پروپگنڈہ کے ذریعہ آل محمد سے پوری طرح نا آشنا اور گمراہ کردیا تھا۔ انھیں حقائق سے صحیح آشنائی نہیں تھی۔ انہیں اسیران بلا کی صحیح معرفت نہیں تھی۔ ان کے ساتھ تو دھوکہ کیا گیا تھا کہ ایک خارجی نے خروج کیا تھا جس کے نتیجہ میں قتل کا بازار گرم ہوا۔ لیکن امام سجادؑ کے حکمت آمیز خطبے کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ کوئی خارجی نہیں تھا بلکہ حامئی حق وصداقت تھا۔ باطل پرست یزید نے حق وحقانیت کو مٹانے کی کوشش کی تھی۔ حسین بن علی نے آواز احتجاج بلند کیا۔ اور نتیجہ میں قتل کیے گئے۔

یزید نے جب انقلابی کیفیت دیکھی تو بھونچکا رہ گیا امامؑ کی حکمت بھری تقریر پر روک لگانے کے لئے موذن کو اذان کا حکم دیا، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ موذن کو اذان کا حکم دیکر اس نے خود اپنے ہی پیر پر بھرپور کلہاڑی ماری ہے جیسے ہی موذن نے اذان شروع کی امام خاموش ہوگئے اور اپنی نحیف آواز میں اذان کے فقرات دہرانے لگے۔ لیکن ایک منزل پر چیخ پڑے۔ جب موذن نے اشھد ان محمد رسول اللہ۔ اپنی زبان سے ادا کیا۔ امام یزید ملعون سے مخاطب ہوئے۔

اے یزید ھذا الرسول العربی الکریم جد کی ام جدی- یہ تیرے بزرگوار ہیں یا میرے؟۔ ۱۰

تاریخ شاہد ہے کہ اس مقام پر تمام درباریوں کے سامنے یزید سرغرور جھکانے پر مجبور ہوگیا۔

ہمارے لاکھوں سلام امام سید سجاد کی اس حکمت عملی اور انداز جہاد پر جس کے ذریعہ باطل کے دربار میں باطل پرستوں کے سامنے حق وصداقت کا لوہا منوالیا۔جس کے نقوش تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ حکمت عملی انسانیت کو وقفے وقفے سے شہو کادیتی رہے گی۔ اور یقین ہے کہ بنی نوع بشر اپنی حیات کو اس حکمت عملی سے استوار کرتی رہے گی۔

حواشی:

۱۔ ذکر وفکر: علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم

۲۔مقتل الحسین: عبد الرزاق المقرم ص ۳۸۱

۳۔ اللہوف: سید ابن طاوس ص ۶۸

۴۔قتل الحسین: عبد الرزاق المقرم ص ۳۸۱

۵۔شہید اسلام: محمد ہارون زنگی پوری ص ۳۱۸

۶۔ شہید اسلام: محمد ہارون زنگی پوری ص ۳۱۸

۷۔قتل الحسین: عبد الرزاق المقرم۔ص ۴۱۶

۸۔ تفسیر کربلا: فروغ کاظمی۔ص ۲۳۲

۹۔نقوش عصمت: علامہ جوادی ص ۴۸

۱۰۔قتل الحسین: عبد الرزاق المقرم ص ۴۴۸

۱۱۔شہر شہادت: سید علی اختر گوپالپوری ص ۱۹۵

❀❀❀

فرہنگ وتمدن:

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ایرانی رسم روضہ خوانی کا رواج ہندوستان میں

روضہ خوانی روایت کے مطابق ایران میں ملا حسین واعظ الکاشی کی تالیف روضۃ الشہداء سے شروع ہوئی۔ روضۃ الشہداء واقعات کربلا سے متعلق فارسی زبان میں ایک منتخب ومقبول کتاب تھی جو ملا کاشی نے تیموری دور میں ۹۰۸ھ/ ۱۵۰۲ء میں ہرات کے ایک شہزادہ مرشد الدولہ المشتہر بسید مرزائی کی فرمائش پر تصنیف کی تھی۔ ایران میں عشرہ محرم کی مجالس میں یہ کتاب پڑھی گئی اور مقبول ہوئی اور یہ رسم روضہ خوانی کہلائی۔

ڈاکٹر رضا زادہ شفق نے تاریخ ادبیات ایران کے صفحہ ۳۲۲ پر لکھا ہے:

''روضۃ الشہداء کہ در مصائب حضرت امام حسینؑ ویاران اوست وی تواں گفت قدیم ترین کتاب است کہ بدیں تفصیل مصیبت ائمہ را ذکر کردہ مدت ہا در مجالس عزاء از کتاب نقل کردند گویا اصطلاح روضہ خوانی از نام ہم کتاب آمدہ باشد۔''

مولانا کاشی نے آیات قرآن مجید تفاسیر، احادیث، صحائف ائمہ طاہرین اور مقاتل کربلا سے بے مثل انتخاب اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ مقاتل میں کوئی کتاب اس کے پایہ کی نہیں ملتی جس میں فضائل کا باغ اور مصائب کا بیت الحزن ساتھ ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ یہ کتب نثر اور برجستہ نظم میں ایسی تالیف ہے جس میں تاریخی واقعات وسیر سے واقعات کربلا کی تمہید کو موثر بنا کر کربلا کی دل دوز داستان بیان کی ہے جس کو پڑھ کر یا سن کر بے ساختہ آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔

روضۃ الشہدا دس ابواب پر مشتمل تھی اور اس کے ابواب اتنے ضخیم تھے کہ دورے کی

مجالس میں ان کو پڑھنا مشکل تھا خصوصاً ایسی مجالس میں کہ جن میں سوز خوانی تحت اللفظ مرثیہ خوانی یا وعظ بھی شامل ہو لہٰذا بہ نظر اختصار روضہ خوانوں نے اس کی ہر مجلس کی تلخیص کی اور تاثیرِ غم کے اضافہ کے لئے اس کی ہر مجلس کی ابتداء میں ملا محتشم کاشی کے مقبول فارسی مرثیہ کا ایک بند ضم کیا اور آخر میں ماتم کے ساتھ پڑھنے کے لئے نوحہ کا اضافہ کیا اور روضۃ الشہداء کے خلاصہ کو دہ مجلس کے نام سے موسوم کیا گیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ جب ہمایوں، شاہ طہماسپ صفوی کی امداد سے ہندوستان میں فتح یاب ہوا اور حسب معاہدہ ممالک محروسہ کے منبروں کو ذکر اہل بیتؑ سے زینت دی گئی تو روضہ خوان جو ہندوستان آئے انھوں نے ہندوستان میں ایرانی رسم روضہ خوانی کو رواج دیا اور مجالس عشرہ محرم میں روضۃ الشہداء اور اس کی تلخیص دہ مجلس کو رواج دیا۔اس طرح رسم روضہ خوانی ہندوستان کے مرکزی شہر دہلی، لکھنؤ اور ان قصبات میں جاری ہوئی جہاں عزاداری عشرہ محرم کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

دہلی میں مروجہ دہ مجلس فضل علی فضلی جاری ہوئی جسے پروفیسر مختارالدین احمد نے مرتب کر کے بعنوان کربل کتھا شائع کرادیا۔ یہ ترجمہ ۱۱۴۵ھ کا ہے۔ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے۔

البتہ محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۴۵ھ میں فضلی متخلص ایک بزرگ نے دہ مجلس لکھی اور غالباً اردو کی یہی پہلی تصنیف ہے فضلی نے اس کتاب کو بارہ مجالس اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔

عین البکا معروف بہ دہ مجلس۔مصائب خامس آل عباؑ یعنی جناب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام یہ کتاب عطاء اللہ خان صاحب مرحوم سادات حسینی ساکن شہر دہلی متخلص بہ عطا نے ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں لکھی اور یہ کتاب ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں مطبع بدرالدجی شہر دہلی واقع کوچہ تتو اس سے باہتمام سید حسین منیجر شائع ہوئی۔ یہ کتاب گیارہ مجالس پر مشتمل ہے اور اس کا نام عین البکا معروف بہ دہ مجالس ہے۔

روضۃ الشہداء کے نسخے اور دہ مجلس کے نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں بھی موجود ہیں چند نسخوں کا تعارف حسب ذیل ہے۔

روضۃ الشہداء منظوم بزبان دکنی نمبر ۱۳۸۹ مولفہ محکم دکنی قلمی کتابت ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء

روضۃ الاطہار نمبر کتاب ۱۱۹۱ تصنیف میر نوازش علی شید ا قلمی مطبوعہ ۱۲۷۵ھ/۱۸۶۱ء

سالار جنگ میوزیم لائبریری حیدر آباد میں روضۃ الشہدا اور دہ مجلس کے نسخے حسب ذیل ہیں:

روضۃ الشہداءنمبر کتاب ۲۸ مصنف میر ولی فیاض ویلوری تصنیف ۱۱۳۰ھ۔ یہ ولی ویلوری کی مشہور مثنوی ہے جو ملا حسین واعظ کاشی کی روضۃ الشہداء کا دکنی ترجمہ ہے اس کو دس باب یا دس مجالس میں تقسیم کیا گیا ہے اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ میں چھ کتب خانہ ادبیات اردو میں دو اور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں بھی موجود ہیں۔ سالار جنگ میوزیم لائبریری نسخہ نمبر ۱۱ ہے۔

کروں نامہ کو بسم اللہ سوں آغاز — اچھوں تا میں فصاحت سوں سرفراز
سر آون ہے کیا یہ یک سخن میں — بند ہا جوں دم کے رشتے سوں بدن میں

اختتام:

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال — گیارہ سو پہ تھا سن تیسواں سال
زمانہ مہدی آخر زماں کا — اٹھا اس باعث اس واماں کا
ولی اب رکھ قلم ہو ختم کر بات — نبی و آل پہ تو بول صلوات
کیا ہاتف نے یوں تاریخ مقبول — ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول

اس فہرست میں مذکورہ کتاب کے نو نسخوں کی تفصیل موجود ہے۔ اہم نسخے حسب ذیل۔

وسیلۃ النجات: نمبر کتاب ۶۶ مصنف حسن بیگ تصنیف ۱۱۱۵ھ

روضۃ الاطہار: نمبر کتاب ۲۱ مصنف نوازش علی شید التصنیف ۱۱۷۳ھ۔ یہ بارہ ۱۲ مجالس پر مشتمل ہے۔ خاتمہ پر حسب ذیل تحریر ہے:

فقیر حقیر عبد الحکیم بن عبد الرشید ابن حسن بہائی۔ تصنیف سید نوازش علی خاں بہادر بتاریخ ہفدہم ۱۱۷۳ھ روز پنجشنبہ تمام رسید۔

نوازش علی خاں شید امیر سامان نظام علی خاں آصف ثانی کی سعی سے بادشاہی عاشورہ خانہ جو اورنگ زیب کے ہاتھوں تباہ ہو کر بنڈی خانہ میں تبدیل ہوگیا تھا اور دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اور جاگیر اس عاشورہ خانہ کے مصارف کے لئے وقف کی گئی۔ عاشورہ خانہ نعل کیا گیا تھا۔ اور جاگیر اس عاشورہ خانہ کے مصارف کے لیے وقف کی گئی۔ عاشورہ خانہ نعل مبارک مکرم الدولہ کی ڈیوڑھی پتھر گٹی کے متصل روبرو مدینہ بلڈنگ کے واقع ہے۔ (حیدرآباد کی عزاداری مخصوص نمبر ماہنامہ صدائے جعفریہ بادرات مولانا سید تقی حسن وفا صاحب نوازش علی شید اسی عاشورہ خانہ میں روضہ خواں تھے۔

ریاض الطاہرین نمبر کتاب ۴۲ مصنف سید میر ولی خاں مونس۔ تصنیف ۱۱۹۰ھ صفحات ۳۳۴ کتابت ۱۲۰۶ھ آصف جاہ ثانی ۱۱۷۵ھ تا ۱۲۱۸ھ کے زمانہ میں فارسی و اردو کے اچھے شاعر تھے مجالس عزا میں مرثیہ خوانی اور روضہ خوانی فرماتے تھے۔

روضۃ ہندی۔ نمبر کتاب ۴۱ مصنف محکم تصنیف ۱۲۱۷ھ یہ ایک دکنی شاعر تھے ان کی مثنوی کے نسخے کئی کتب خانوں میں موجود ہیں۔ روضہ ہندی بارہ مجالس پر مشتمل ہے ہر مجلس کے آخر میں محکم نے میر عالم کے لئے دعائیہ اشعار لکھے ہیں جس سے واضح ہے کہ وہ میر عالم کے درباری شاعر تھے۔

خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دہ مجلس کے نسخے

ا۔ دہ مجلس فارسی نمبر۔ ۱۳۷۰ اوراق ۷۷ ناقص الاصل یک ہزار دو صد و نو مرقوم شد

۲۔گلِ مغفرت مصنفہ حیدر بخش حیدری استاد فورٹ ولیم کالج کلکتہ نمبر کتاب ۳۱۵۴ جدید نمبر ۱۸۹ اس کو کٹیلاگ میں تصنیف محسن لکھا ہے جو غلط ہے اصل کتاب ورق ۷ سے شروع اور ورق ۸۸ پر تمام ہوئی ہے۔

گلِ مغفرت مصنفہ حیدر بخش حیدری ڈاکٹر ناظر حسن زیدی صاحب کے مقدمہ کے ساتھ سید امتیاز علی تاج ناظم مجلس ترقی ادب لاہور ۲۷ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور نے اولاً جنوری ۱۹۶۵ء میں شائع کی ہے اور یہ مطبوعہ نسخہ بھی خدا بخش لائبریری میں نمبر ۱۸۶۸۹ پر موجود ہے۔

نیشنل لائبریری کلکتہ میں دہ مجلس کا نسخہ

اس کا تعارف ڈاکٹر فضل حق فصاحب نے اپنے تحقیقی مقالہ ''میر حسن حیات وادبی خدمات'' میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں دہ مجلس اردو کا ایک نسخہ موجود ہے کتاب کے آخر میں درج ہے۔

تمام شد کتاب دہ مجلس بتاریخ چہارم ماہ شوال ۱۲۶۴ء یوم شنبہ مطابق دوئم اگست ۱۸۵۱ء بخط خام سید عبد اللطیف وارد حال شہر بود ساکن اونی ضلع مرہوخاص حسب فرمائش جناب میر صاحب سررشتہ دار ڈپٹی کلکٹر صاحب بہادر ضلع پونہ ساکن شہر پانی پت۔

اس کتاب میں کہیں کہیں مظہر علی ولا کے نوحے درج ہیں آخری نوحہ میں حسن تخلص ہے۔قیاس بھی کہتا ہے کہ یہ نوحہ میر حسن کی تخلیق ہے۔نوحہ کا مطلع یہ ہے۔

اے محبو کیا کہوں میں ماجرا شبیرؑ کا کربلا میں کس طرح سے سر کٹا شبیرؑ کا

مقطع ہے

بس حسن خاموش آگے کچھ نہ لکھ احوال تو حشر میں راضی رہے تجھ سے خدا شبیرؑ کا

رضا لائبریری رامپور میں دہ مجلس بیجاں کا مخطوطہ موجود ہے یہ منظوم مثنوی ہے سبب تصنیف سے متعلق دہ مجلس بیجاں کے اشعار حسب ذیل عرشی صاحب نے سید سفارش حسین

صاحب کے خط کے جواب میں لکھے۔

مجھ کو اس غم میں دیکھ زار و حزیں   قبلہ دوجہاں حسین الدین
نظم وہ مجلس آج تک تو نہیں   ریختے میں سنی کسی نے نہیں
فکر تو کر کے یہ غم جاں سوز   سن کے سب روئیں شمع ساں روز
کر بیاں ایسے حرف درد اثر   کہ ٹپکتے ہوں جس سے خون جگر
کہ پڑھیں جب یہ درد و غم کی کتاب   نہ رہے شمع دل کو باقی تاب
ریختے میں وہ درد کر موزوں   کہ سراسر ہو گریہ کا مضموں
یاد وہ قول کیوں نہیں آیا   کہ ہے مشکل کشا نے فرمایا
کہ بیاں کر جو سرگزشت حسینؑ   غم سے گریاں ہو چشم دل بے چین
یا اس احوال سے کسی کو رلائے   آپ اس غم میں شکل غم ہو جائے
ہے جناب کریم سے امید   کہ ملے تجھ کو راحت جاوید
پس سمجھ، ہے جو تجھ کو عقل و تمیز   کہ عبث کھو نہ اپنی عمر عزیز

مرکز اودھ شہر لکھنؤ میں دہ مجلس:

ڈاکٹر مولانا سید شبیہ الحسن صاحب نونہروی نے لکھا ہے مرزا مغل غافل کا شمار لکھنؤ کے گمنام مگر اہم مصنفوں میں ہوتا ہے۔ انہیں لکھنؤ کی ادبی تاریخ میں ایسی سبقت حاصل ہے جس کا احساس بڑی تاخیر سے ہوسکا پورا نام محمد ہادی اور باپ کا نام محمد حسن تھا۔ لکھنؤ میں حیدر گنج میں قیام پذیر تھے۔ کلیات لکھنوی کے مندرجہ قطعہ تاریخ کی بنا پر انہوں نے ۲۴ر شعبان ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۶ر دسمبر ۱۸۳۵ء بدھ کے دن انتقال کیا ان کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے روضۃ الشہداء کی متابعت میں دہ مجلس کے طرز کی تین مکمل اور ایک نامکمل تصنیف چھوڑی ہے۔

ان کا پہلا مجموعہ وسیلۃ النجات قدامت کے اعتبار سے تقریباً دو سو برس پرانا ہے اور

لکھنؤ میں اردو نثر کی ارتقائی تاریخ میں اس کو وہی اہمیت حاصل ہے جو دہلی میں کربل کتھا مرتبہ فضلی کو حاصل ہے۔ وسیلۃ النجات لکھنوی نثر کا سب سے پہلا باضابطہ نمونہ ہے یا ابتدائی نمونوں میں سے ایک ہے۔

مذکورہ حوالہ ڈاکٹر مولانا سید شبیہ الحسن صاحب سابق صدر شعبۂ اردو لکھنو یونیورسٹی کے مقالہ بعنوان دوسو سال قدیمی مجلس، سے لیا گیا جو الواعظ کے ذبح عظیم نمبر بابت نومبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے۔

میر حسن دہلوی کے خاندان میں بھی دہ مجلس کا رواج جاری تھا چنانچہ حکیم میر حسن خلق فرزند میر حسن دہلوی نے منظوم دہ مجلس شاہی خاندان کی ایک بیگم مرشد زادی امتیاز بہو بیگم صاحبہ کی فرمائش پر میر امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے عہد میں تصنیف کی اور ۱۲۶۴ھ میں تمام ہوئی نام اس کا دہ مجلس ہے لیکن دوسری دہ مجلسوں کی طرح مجالس کی تعداد اس میں گیارہ درج ہے۔ جملہ مجالس مسدس مراثی کی شکل میں منظوم ہیں۔ ہر مجلس کے آخر میں ایک نوحہ شامل ہے۔

جلالی ضلع علی گڑھ میں یازدہ مجلس مؤلفہ میر حسن دہلوی

میرے وطن جلالی ضلع علی گڑھ میں جو عزاداری کا ایک اہم مرکز رہا ہے رسم روضہ خوانی ابتداء میں بزبان فارسی جاری ہوئی۔ جب اردو زبان نے فروغ پایا تو فارسی دہ مجلس کا اردو ترجمہ مولانا سید محسن علی اسیر جلالوی نے کیا جو جلالی میں عشر محرم کی مجالس میں رائج ہوا اور راقم سطور نے اس کو مرتب کر کے شائع کرا دیا۔

جلالی میں کتب خانہ سید شاہ خیرات علی ہمدانی میں دہ مجلس کا ایک قدیم مخطوطہ موجود تھا جب اسے تحقیقی نگاہ سے دیکھا گیا تو واضح ہوا کہ یہ میر حسن دہلوی کی مرتبہ دہ مجلس ہے جس کے ذریعہ میر حسن روضہ خواں فرماتے تھے۔ اس میں دو اضافے خاص ہیں ایک ہر مجلس کی ابتداء میں محتشم کاشی کے فارسی مرثیہ کا جو بند شامل ہے اس میں ہر بند میں میر حسن نے فارسی

کے دو اشعار اضافہ کیے ہیں اور ہر مجلس کے بعد اپنا تصنیف کردہ نوحہ شامل کیا ہے۔ پروفیسر اکبر حیدر کشمیری صاحب نے اس نسخہ کی تصدیق فرمائی اور انہی کی سفارش سے یہ دہ مجلس فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اترپردیش کی سفارش سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

بستان الشہداء ترجمہ اردو روضۃ الشہداء کی اشاعت بمبئی میں محمد احسان الٰہی احسان میرٹھی سے قاضی ابراہیم صاحب ابن قاضی نور محمد صاحب کتب فروش نے ۱۲۹۴ھ میں فرمائش کی چنانچہ وہ اس کتاب کو اپنے ساتھ میرٹھ لے گئے اور وہاں اس کا ترجمہ بستان الشہداء کے نام سے مکمل کیا۔ قاضی ابراہیم صاحب نے قاضی عبدالکریم و قاضی رحمت اللہ صاحب کو حقوق طبع قانونی طور پر ہبہ فرمائے اور انہوں نے اپنے مطبع فتح الکریم پاؤں دھونی بمبئی سے شائع کرلیا اور بموجب قانون بستم ۱۸۴۸ء و بموجب قانون بست و پنجم ۱۸۶۷ء رجسٹرڈ کرلیا۔ یہ ترجمہ ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور سلیس اردو ترجمہ ہے۔ محمد احسان الٰہی احسان میرٹھی نے فارسی اشعار کا اردو میں منظوم ترجمہ کرکے ہمرشتہ ضم کیا ہے اور کچھ مزید اشعار و منظومات بھی شامل ترجمہ کیے ہیں یہ ترجمہ ۱۳۰۴ھ میں مطبع الکریم بمبئی پاؤں دھونی بمبئی سے شائع ہوا ہے اور کتب خانہ ادارۂ ہمدانیہ جلالی میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ اس ترجمہ کو دیکھ کر واضح ہوا کہ روضۃ الشہداء کے ذریعہ رسم روضہ خوانی بمبئی میں بھی جاری تھی اور کتاب روضۃ الشہداء بمبئی میں مقبول تھی اور اسی بناء پر اس کے اردو ترجمہ کی ضرورت پیش آئی۔

غرضیکہ رسم روضہ خوانی کا ہندوستان میں جائزہ لینے پر واضح ہوجاتا ہے کہ روضہ خوانی کا رواج عشرہ محرم کی مجالس میں ہندوستان کے مشہور شہروں اور قصبات میں موجود تھا اور اسی بنا پر دہ مجلس خلاصۂ روضۃ الشہداء کے مختلف نسخے ہندوستان کے مشہور و ممتاز کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔

❁❁❁

شعرو ادب:

ڈاکٹر محمد نیاز احمد، پٹنہ

ہندوستان میں

فارسی شاعری کا آخری دور اور مفتی میر محمد عباس لکھنوی

ایک مطالعہ

یہ وہ زمانہ تھا جب مغلوں کی حکومت ختم ہورہی تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ نادر شاہ ہندوستان کی ساری دولت لے گئے اور دہلی کے قتل عام نے یہاں کے باشندوں کے حوصلے پست کردیے تھے۔ نادر شاہ کے حملے کے ۷۲ سال بعد مفتی محمد عباس نے دنیا میں قدم رکھا تھا۔ اس وقت ہندوستان کی سلطنت بالکل کمزور ہوچکی تھی۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر چھ حملے کیے۔ دہلی کی رونق ان حملوں کی وجہ سے ختم ہوچکی تھی۔ شرفا واہل قلم دہلی سے لکھنؤ، عظیم آباد، فرخ آباد اور مرشد آباد چلے گئے۔ دہلی کی سلطنت لکھنؤ میں محبوس ہوکر رہ گئی تھی۔ مفتی صاحب اس زمانہ کے ایک ممتاز عالم باعمل، ادیب اور شاعر تھے۔

مفتی میر محمد عباس لکھنوی کا اسم گرامی محمد عباس اور تخلص سید تھا۔ ان کی پیدائش ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۷ء میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔ اور آپ کا انتقال ۸۲ برس کی عمر میں ۱۸۸۹ء میں ہوا۔ ان کے والد کا نام سید علی اکبر تھا اور دادا جان کا نام محمد جعفر شوشتری تھا۔ مفتی صاحب کے جد امجد سید محمد جعفر لکھنؤ کے آخری نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۳ء میں شوشتر (ایران) سے ترک وطن کرکے لکھنؤ آئے تھے۔ ان کے دادا جان اپنے عہد کے زاہدوں اور پارساؤں میں تھے۔ حسن خلق، آداب مجلس، رنگینی صحبت اور جود و ایثار میں وہ حاتم

وقت ہے۔ان کی تعلیم وتربیت ایران کے شہر شوشتر میں ہوئی اور عراق میں انھوں نے علوم طب ونجوم حاصل کیے تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۱۹ء میں ہوا۔مفتی محمد عباس کی عمر اپنے داداجان کی رحلت کے وقت تقریباً بارہ سال تھی۔ اور ان کے والد کا انتقال ۱۸۴۴ء میں ہوا مفتی صاحب کی عمر ۳۷ سال تھی۔ انہوں نے اپنے والد کے عادات واطوار وخصائل حمیدہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے والد بڑی خوبیوں سے آراستہ، عبادت توکل اور قناعت میں ید طولی رکھتے تھے۔ وہ نہایت سادہ مزاج، بے تکلف اور منکسر المزاج تھے۔شان وشوکت سے کوسوں دور تھے۔ کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔تحریر نہایت عمدہ لکھتے تھے اور روزمرہ کی فارسی زبان پر حاوی تھے۔مندرجہ ذیل کتابیں ان کی تصنیفات وتالیفات میں ہیں۔ (۱) لسان العجم بزبان فارسی (۲) شرح شافیہ (۳) تعلیمات شرح تہذیب وتلخیص (۴) مکاتب فارسیہ

مفتی عباس کا خاندانی تعلق شوشتر (ایران) کے ایک مذہبی، دانشور اور فضل وکمال والے خاندان سے تھا۔ ظاہر ہے دو چیزیں کسی شخص کو بناتی ہیں۔ ایک تو خاندانی شرافت ونجابت جس کو خونی تعلق کہتے ہیں۔ اور دوسری شئے ماحول ہے۔ ماحول خود معلم ہے۔ مہذب اور پاکیزہ ماحول میں پرورش پانے والا بچہ ضرور باکمال بنتا ہے۔قدرت نے مفتی میر محمد عباس کو ایک ایسے خانوادہ میں پیدا کیا جہاں ان کی تعلیم وتربیت کے سارے پاکیزہ اور پُرمغز اسباب موجود تھے۔ وہ ایک طویل مدت تک اپنے والد محترم کے سایۂ عاطفت میں رہے۔ گھر میں حتی الامکان ہر طرح کے آسائش اور آرام موجود تھے لیکن دولت کی فراوانی نہ تھی۔ بس گذر بسر ہو رہی تھی۔ آپ کو بچپن سے ہی فضول وقت گذارنے سے نفرت تھی۔

مفتی محمد عباس کو انشاء پردازی اور شاعری کا ذوق کمسنی سے تھا۔مولوی عبد القوی نے بڑی توجہ اور محبت سے ان کو ابتدائی تعلیم دی۔ انہوں نے صرف نحو، منطق، فلسفہ، حساب، ہیئت، طبیہ میں کمال حاصل کیا۔ ان کی مثنوی ''من وسلویٰ'' ایک مشہور فارسی مثنوی ہے جو بہاالدین آملی کی مثنوی ''نان وحلویٰ'' کے جواب میں ہے۔ یہ ایک طویل مثنوی ہے۔ یہ مثنوی

۱۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں تقریباً دو ہزار آٹھ سو پنچانوے اشعار ہیں۔

فن شعری میں انھوں نے کسی سے مدد نہیں لی۔ شاعری میں ان کا کوئی استاد نہ تھا۔ ان کے اشعار معنی اور مطلب سے ایسا لگتا ہے کہ گویا سیپ میں موتی چھپا ہو۔ ان کی شاعری میں آہ و نالہ کی فراوانی ہے۔ انہوں نے کاغذ پر خون کی نہریں جاری کی ہیں۔ یہ خون ان کے فکر کی ایجاد ہے۔ مفتی عباس صاحب فارسی شاعری خصوصاً فارسی مثنویات میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی مثنویاں فارسی میں لکھی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مثنوی من وسلویٰ

(۲) مثنوی صحن وچمن

(۳) مثنوی گوہر شاہوار

(۴) جواہر عبقری یعنی رد تحفۂ اثناعشریہ

یہ کتاب فارسی نثر میں مذہب امامیہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

ان مثنویوں کے علاوہ اور بھی کئی مثنویاں انہوں نے لکھی تھیں۔ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار صرف مثنوی من سلویٰ میں ہیں۔ کم از کم چار پانچ ہزار فارسی اشعار مطبوعہ ہیں۔

میر محمد عباس کو تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نیچرل شاعر تھے اس لئے بہت جلد حالات اور ماحول سے اثر پذیر تھے۔ وہ گرچہ صوفی شاعر تھے کیونکہ بیشتر اشعار صوفیانہ ہیں۔ لیکن کہیں کہیں پر ان کے اشعار عاشقانہ بھی ملتے ہیں۔ وہ ایک ایسے صوفی باعمل تھے کہ تخت وتاج کو خاک سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔

مفتی محمد عباس نے ۱۸۵۷ء کا غدر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی۔ اس غدر کے پہلے واجد علی شاہ کی جلا وطنی کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ اہل وطن اور خصوصاً اہل لکھنؤ کو کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ والد محترم غدر سے صرف تیرہ سال قبل اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ والد محترم کی

وفات کے بعد بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن زبان پر ناشکری کے الفاظ نہیں آنے دیئے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ کبھی درس و تدریس کبھی وعظ و شعر وشاعری اور کبھی عبادت ووظائف میں مشغول رہنا آپ کا مشغلہ تھا۔ ۱۸۴۱ء میں محمد علی شاہ والی اودھ نے مناسب وظیفہ سے نوازا۔ محمد علی شاہ کے انتقال کے بعد یہ وظیفہ بند ہوگیا۔ پھر انہوں نے دوبارہ اس وظیفے کے جاری ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ۱۸۴۷ء میں انہوں نے مفتی کا عہدہ سنبھالا۔ جسے نہایت حسن خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

مفتی میر محمد عباس کی سیرت وشخصیت بہت ہی بلند پایہ تھی۔ آپ کی سیرت میں سچائی ایمانداری، انکساری، تواضع اور دوسروں کا درد تھا۔ آپ کی زندگی سنت نبویؐ کے مطابق تھی۔ آپ ایک عابد اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ آپ نہ صرف فارسی شاعر کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے بلکہ آپ ایک نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ اہل فقر میں سے تھے اور ان کے پاس عیش وعشرت کے سامان نہ تھے۔ مفتی صاحب اپنے فقر ہی کو یاد کرکے روتے تھے۔ وہ افلاس کو گلے سے لگاتے تھے اور یہی ان کی دولت تھی۔ آپ کی شخصیت وسیرت ہی کا جادو تھا کہ اودھ کے تین نوابوں جن کے زمانے میں آپ اہل قلم وباوقار ہوچکے تھے آپ کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور مناصب بلند بھی عطا کیے۔ محمد علی شاہ نے آپ کو مناسب وظیفہ دیا تھا۔ امجد علی شاہ نے مدرس کا عہد اپنے شاہی مدرسہ میں دیا انہوں نے مدرسہ شاہی لکھنؤ میں ایک مدت تک درس دیا۔ وہاں شاگرد آپ کے طریقہ تعلیم کے گرویدہ اور شیدائی تھے۔ اور واجد علی شاہ نے شاہی مسجد لکھنؤ کی امامت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

مفتی میر محمد عباس لکھنوی فارسی کے شاعر کی حیثیت سے ایک منفرد مقام کے حامل تھے۔ آپ کی شاعری کی روح جذبات نگاری اور واقعہ گوئی ہے۔ آپ نے ہندوستان میں اس دور میں فارسی شاعری کی، جب فارسی میں اشعار کہنے کا رواج ختم ہوچکا تھا۔ یوں تو محمد شاہ رنگیلے ہی کے عہد سے فارسی شعراء اردو کی طرف راغب ہورہے تھے۔ اس لئے محمد شاہ کے عہد

کو فارسی شاعری و ادب کا آخری زرین عہد کہا جاتا ہے ۔ اس زمانے میں میر شمس الدین فقیر عباسی، والہ داغستانی۔ آزاد بلگرامی ، نظام الملک آصف جاہ شاہ فقیر اللہ آفریں لاہوری اور انجام جیسے باکمال شعراء فارسی شاعری کے آسمان پر روشن ستاروں کی طرح تھے۔ لیکن مفتی محمد عباس کا عہد اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کا عہد تھا۔ اس وقت دہلی حکومت اپنی طاقت اور رونق کھو چکی تھی ۔ اس انتشار کے عالم میں ہندوستان میں فارسی کے صرف دو ہی بڑے شاعر نظر آتے ہیں۔ ایک مرزا اسد اللہ خاں غالب جن کو ہندوستان کا بچہ بچہ اردو شاعر کی حیثیت سے جانتا ہے۔ اور فارسی کے دوسرے بڑے شاعر مفتی میر عباس لکھنوی تھے جو اصلاً ایرانی تھے۔

مفتی صاحب نظم اور نثر دونوں میں مہارت رکھتے تھے اور پیدائشی شاعر تھے۔ انہوں نے فارسی اور عربی زبان میں مثنویاں لکھی ۔ انہیں حسن ترتیب میں مہارت حاصل تھی۔ کس واقعہ کو پہلے اور کس کو بعد میں آنا چاہئے اس سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

شہنشاہ دوراں جہاں بان دہر   ازو شد بہارین گلستان دہر
گدای بکویش چو جمشید شد   بہ ہر ذرہ تابید و خورشید شد

اسی طرح کردار نگاری میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔

جای کہ خدا ثنا بخواند   مداحی او کہ می تواند
شاہا تو امید گاہ مائی   شاہی است بکوی تو گدائی

انہیں واقعہ نگاری میں خاص مہارت حاصل تھی۔ واقعہ نگاری کے فن سے وہ اچھی طرح واقف تھے ۔ واقعہ نگاری کی بنیاد قوت خیال پر ہے اور قدرت نے وراثت میں آپ کو قوت تخیل سے نوازا تھا۔

فراختہ خیمہ ہائی گردوں   انداختہ فرش ربع سکوں
قندیل نجوم کردہ روشن   ہر بام فلک بغیر روغن

انکو منظر نگاری میں بھی کمال حاصل تھا حالانکہ آپ مولانا روم کی طرح ایک صوفی

شاعر تھے لیکن جہاں کہیں بھی آپ کو موقع ملا آپ نے منظر نگاری کا کمال دکھایا ہے۔

سنبل شدہ موی از فراقش ۔۔۔ نرگس ہمہ چشم ز اشتیاقش

گل بہر رضای او خموشان ۔۔۔ بلبل بہ ہوای او خروشان

وہ ایک نغز گو شاعر تھے۔ کسی بات کو نہایت خوبصورتی سے پیش کرنا ان کے فن کا کمال تھا۔ ان کی مثنوی کوئی ایک ممتاز شاعر کی مثنوی کوئی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی شاعری سحر پردازی اور اعجاز طرازی ہے۔ آپ کی ذات گرامی فیض آیات اور آپ کی شاعری نگارستان چمن پیش کرتی ہے۔

شکوہ از گردون گرداں ناروا است ۔۔۔ کانچہ بر سر ماست از خدا است

کیست گردوں تا جفا کاری کند ۔۔۔ عکس حکم حضرت باری کند

ان کے اشعار میں شیرینی اور حلاوت ہے۔ اس وصف میں خواجہ حافظ اور فیضی کمال پر تھے۔ لیکن مفتی صاحب بھی لکھنؤ میں رہنے کی وجہ سے شیرینی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے بیشتر اشعار میں شیرینی پائی جاتی ہے۔

گفت ای مسکین چہ آمد بر سرت ۔۔۔ چیست ایں محنت کجا شد شوہرت

کشتہ جور وجفای حیدرم ۔۔۔ قتل در میدان جنگ با او شدم

وہ زہد وتقویٰ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور مجتہد عصر تھے۔ اس کے باوجود طبیعت میں رنگینی تھی۔ ان کے اشعار میں رنگینیاں پائی جاتی ہیں۔

مرا تاجر تازہ ہمسایہ بود ۔۔۔ کہ دانشور و صاحب مایہ بود

خدا دادہ بودش بآن سیم وزر ۔۔۔ دو تا دختر دلبر وسیم بر

ان کی زبان میں سلاست وصفائی تھی۔ ان کی شاعری حقائق ومعارف وپند وموعظت سے پر ہے۔ انداز بھی بہت دلنشیں ہے۔ انہوں نے کئی مثنویاں لکھیں اور غزلیں اور قصیدے بھی لکھے۔ تینوں اصناف میں وہ سلاست وروانی میں پیچھے نہیں رہے۔

سحر خانہ ام آن جنان آمدند بکاشانہ ام میہمان آمدند
نگاہی بآن قد وبالا نبود ہوای ز سلمیٰ و لیلیٰ نبود
از آنہا سراسیمہ بگریختم درآن گوشہ پردہ ہم آویختم

جذبات نگاری شاعری کی روح ہوتی ہے۔مفتی صاحب جذبات نگاری میں بھی مہارت رکھتے تھے ۔ ان کے بیشتر اشعار جذبات نگاری سے پر ہیں۔مثنوی کے اشعار ہوں یا غزل اورقصیدہ کے سب میں جذبات نگاری موجود ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ بود در قناعت ہم ید بیضا نمود
گنج قاروں بود در چشمش حقیر در دعا گفت است من خیر فقیر

ان کے بیشتر اشعار لطف ادا کا لطف دیتے ہیں۔ وہ اس صنعت میں خاصی مہارت رکھتے تھے ۔ وہ اپنے لطف ادا سے ایک حقیقت کا سماں کھینچ دیتے ہیں۔ ان کے اشعار اس وصف میں نمایاں برتری رکھتے ہیں۔

دلا شیوۂ عشق بازان شنو بیا قصۂ جان گدازان شنو
یکی اشک ریزان یکی در خضوع یکی در سجود ویکی در رکوع

وہ نسلاً اہل زبان اور مختلف علوم وفنون سے آراستہ تھے۔ ان کے بیشتر اشعار میں نازک خیالی پائی جاتی ہے ۔انہیں اس وصف میں مہارت حاصل تھی۔

قندیل نجوم کردہ روشن بر بام فلک بغیر روغن
آن خیمۂ بی طناب بنگر وین فرش بروی آب بنگر

ان کے اشعار سادگی اور روانی سے پُر ہیں۔ اگر ان کی زبان میں عربی کی آمیزش نہ ہوتی تو وہ اپنے وقت کے سعدی اور حافظ ہوتے ۔بہرحال ان کے بیشتر اشعار اس وصف سے آراستہ ہیں۔

مفتی صاحب نے قصیدے بہت کم لکھے ہیں لیکن جو بھی لکھے ہیں وہ بہت خوب

ہیں۔ ان کے قصیدوں میں فصاحت، سادگی، زوربیان، تخیل، نغزگوئی اور پختگی ہے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جو ان کی شاعرانہ عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

دو روزہ عیش زماں ومناں می باشد — نہ وقت مرگ بکار آید ونہ روز شمار

بہ سیم وزر ملک الموت بر نمی گردد — نہ حور وخلد بود طالبش ز تو زنہار

انہوں نے ایک قصیدہ نواب واجد علی شاہ کی مدح میں لکھا

اے ذرہ ز کوئے تو سلطان خاوری

وی طرہ ز جوئے تو دیوان انوری

مفتی صاحب اردو شاعری میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کی اردو شاعری اعلیٰ پایہ کی ہوتی تھی۔ ان کی اردو غزلوں میں بھی رنگینی اور درد پایا جاتا ہے۔ وہ اردو شاعری میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے فارسی اور اردو کے علاوہ عربی میں بھی شاعری کی ہے۔

مفتی محمد عباس لکھنوی صرف شاعری نہیں بلکہ عربی، فارسی اور اردو کے نثر نگار بھی تھے۔ وہ اپنے زمانے کے جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مرزا غالب دہلوی کے ہمعصر تھے۔ اور غالب بھی ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان کے بعد ہندوستان میں فارسی کے آخری بڑے شاعر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ہوئے۔

آپ شاعروں کے سرتاج، علیم اور دانا تھے۔ آپ صدف کی چمک اور دریگانہ تھے۔ آپ سرو اور طوطیٔ چمن کی حیثیت رکھتے تھے سرکبریائی کے واقف اور علم وپارسائی کے مخزن تھے۔ آپ زاہد اور شاعر ادراک کے مالک، عابد اور نفیس روح والے تھے۔

نوبت چو بما رسید در دہر

شد قحط ہنر بقریہ و شہر

❁❁❁

محمد امین عامر، کلکتہ

دیوان خادم بردوانی

اجمالی تعارف

مغربی بنگال میں ضلع بردوان تیموری سلطنت کے عہد میں علم و ادب کا ایک قابل ذکر مرکز رہ چکا ہے انیسویں صدی (تیرھویں صدی ہجری) کے علماء ادباء اور شعراء جو اس خطہ سے تعلق رکھتے تھے ان میں منشی محمدی بردوانی کی یگانہ ہستی بھی ہے جو فارسی زبان کے کہنہ مشق شاعر اور بلند پایہ ادیب ونثر نگار تھے۔ تخلص خادم تھا اور غالباً پوری زندگی اتالیق اور معلم کی حیثیت سے فارسی زبان وادب کی خدمت میں بسر کی۔ وہ مہاراجہ مہتاب چند بہادر، والیٔ بردوان کے اتالیق واستاد تھے۔ مہتاب چند کو سابق مہاراجہ تیج چند رائے نے ۱۸۲۷ء میں منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ مہاراجہ تیج چند رائے کی وفات کے بعد ۱۸۳۲ء میں مہاراجہ مہتاب مسند نشین ہوئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے خلعت وانعام سے سرفراز کیے گئے۔ بوقت مسند نشینی ان کی عمر بارہ سال تھی۔ وہ ۴۷ سال تک تخت سلطنت پر متمکن رہنے کے بعد ۱۸۷۹ء میں ملک عدم کو سدھار گئے۔ انہوں نے بردوان میں ایک فری انگلش اسکول قائم کیا اور غرباء کے علاج ومعالجہ کے لئے ایک دواخانہ بھی قائم کیا۔ مہاراجہ کے اسکول میں خادم بردوانی فارسی زبان وادب کے استاد کی حیثیت سے مصروف درس وتدریس رہے۔ وہ خوشنویسی میں بھی مہارت رکھتے تھے اور فرصت کے اوقات میں خط نستعلیق کی مشق سے محظوظ ہوتے تھے۔ خادم، غالب کے ہمعصر تھے اور یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ جب غالب لب گور ہو چکے تھے تو خادم نے دہلی جا کر ان سے ملاقات کی سعادتمندی حاصل کی اور انہیں اپنے اشعار سے

اس قدر محظوظ کیا کہ غالب نے شعر کی زبان میں ان کی اس طرح پذیرائی کی

ع بیا بیا کہ براہ تو چشم وا دارم

منشی محمدی خادم کے فرزند نجم الحق اپنے والد کے سفر دہلی اور غالب سے ملاقات کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

"در ۱۲۸۱ھ یکبار مہاراجہ مہتاب چند بہادر والی بردوان کہ شاگردشان بودند دعوت شادی مہاراجہ پٹیالہ مع سواران وغیرہ با سامان شایستہ فرستادند بندہ ہم ہمرکاب بود... بعد ازاں علی التواتر دہلی رسیدہ یا یک ماہ اقامت کردند در ان جا از میرزا نوشاہ نواب اسد اللہ خاں غالب بسیاری اتفاق مجالست می افتاد... وہنگام رخصت میفرمودند کہ حجت صاحب دردلم جا کردہ است وبیاض والدم بدست خود گرفتہ می خواندند۔ روزی در اثنای کلمہ کلام گفتند کہ دیشب چیزی کہ وارد طبع شدہ باشد بفرمائید گفتند کہ از ہجرت فرزند ان وعزیزان وطن دل را اضطراری ہامی باشد چہ گویم معہذا شب غزلی گفتہ ام۔ خواندند چون نوبت این شعر افتاد۔

بہر تعظیم خیالش کہ چو آمد زادب

اشکم از دیدہ برون آمدو برخاک نشست

از جا برجستند وبارک اللہ فرمودند مرا یاد است روزیکہ از خدمت شان رخصت شدند چشم پر آب کردہ ہمین شعر خواندند۔

وقت رخصت بہ رخ احباب نتوانست دید

چشم پوشیم و یاران را وداعی میکنم"[۱۲]

مذکورہ فارسی عبارت سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ خادم نے غالب کے در دولت پہ قیام کے دوران اپنی شاعری سے غالب کو بہت محظوظ کیا جس کی وجہ سے غالب کے دل میں خادم کی بڑی قدرومنزلت رہی بوقت رخصت چشم پرنم سے اپنے عزیز مہمان کو وداع کرتے ہوئے غالب نے اپنے جن دلی کیفیات اور احساسات کا اظہار کیا ہے اس کا اندازہ موخرالذکر

شعر سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد بھی خادم اور غالب کے مابین برابر خط وکتابت اور غزلوں کے تبادلے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ خادم کی خوش بختی تھی کہ ان کی حیات ہی میں ان کے فرزند نجم الحق نے والد کے فارسی دیوان کو ترتیب دیکر خود فارسی مقدمہ کے ساتھ اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جس سے یہ اندازہ لگائے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ خادم کے فرزند کو بھی فارسی زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ خادم کا یہ مکمل دیوان جو ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے منشی سید عبد الرحیم ابد نعت کو لکھنوی منتظم مطبع شاگرد جناب حکیم حاجی مولوی سید محمد سجاد صاحب موہانی کی مساعی سے مطبع قادریہ واقع کلکتہ پاتو تلہ گلی نمبر ۱۶ سے ۱۳۰۲ ہجری میں اشاعت پذیر ہوا۔ ؎۳

ان تمہیدات کے بعد قدرے تفصیل سے دیوان خادم کا تعارف درج ذیل ہے۔

دیوان سے قبل آٹھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اس عبارت کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ ’’حمد وثنا ی مرخدای راست کہ دریک کن ارض وسما را بیا راست زہے کریمی کہ از خوان نعمت خود ہمہ رامی پر دازد وزہے رحیمی کہ بندگان را باوجود معصیت از مغفرت یاد می آرد، صفاتش از احاطۂ شمار فزون وقدرتش از حد ادراک بیرون.... الخ‘‘ ؎۴

صفحہ ۷ پر ’’قطعہ تاریخ دیوان‘‘ کے عنوان سے ایک قطعہ ہے جو دیوان کی تعریف پر مشتمل ہے۔

دیوان چہ خوش است بس ز خادم
کو در معانی اندر ان سفت
طبعم تاریخ او یکایک
بین بحر معانی است برگفت ؎۵

اس قطعۂ تاریخ کا لکھنے والا کون ہے گرچہ یہ معلوم نہیں مگر یہ بھی بعید از قیاس نہیں

کہ خادم کے فرزند نجم الحق جو فارسی زبان دانی میں کمال رکھتے تھے اور جن کا ذوق شعری سے بھی واسطہ تھا اور مضطر تخلص کرتے تھے انہوں نے ہی مذکورہ قطعہ کہا ہو۔

اس صفحہ ۷ پر ایک اور قطعۂ تاریخ ہے جسے لکھنؤ کے مولوی قاسم علی صاحب نے دیوان خادم کی تعریف وتوصیف میں رقم کیا ہے قطعہ ملاحظہ ہو۔

یکی دفتر بمعنی ہر ورق شد
فصاحتہا چنان دارد باوراق
بقاسم گفت عقلش سال طبعش
چہ خوش دیوان خادم تاج آفاق

صفحہ ۸ پر اردو میں ایک قطعہ ہے جسے سید محمد عبد الرحیم ابد نعت گو لکھنوی نے تحریر کیا ہے۔ وہ حکیم حاجی مولوی سید محمد سجاد کے شاگرد اور مطبع کے منتظم تھے۔ قطعہ یہ ہے۔

عجیب دلچسپ ہے مضمون اس میں
عدیم المثل ہے گفتار خادم
طرب انگیز معنی خیز الفاظ
زہے خادم زہے افکار خادم
لکھو تاریخ اسکی اے ابد تم
یہ کیا اچھے چھپے اشعار خادم ہے

۱۳۰۲ھ

آٹھ صفحات پر مشتمل یہ مقدمہ جو علیحدہ سے دیوان خادم میں شامل ہے اپنے تعارف سے ہمکنار ہوا۔ اب اصل دیوان کا تعارف حوالۂ سطر ہے۔ ٹائٹل صفحہ کے علاوہ صفحہ ۲ سے دیوان کی ابتدا کی گئی ہے اور سب سے پہلے ۱۷ اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ نظم درج ہے۔

نعت کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

شہہ سریر نبوت محمدؐ عربی
کہ ذات او بجہان است ختم صنع الہ
رہ نجات کسی در جہان کجا یابد
بحشر گر نگشائی لب شفاعت خواہ ے

اس کے بعد صفحہ ۳ پر ''مطلع دوم'' کے عنوان سے ۲۳ اشعار پر مشتمل دوبارہ نعت نبوی کے دریا بہائے گئے ہیں اور رسول اکرمؐ کی تعریف وتوصیف اور عشق نبوی سے بے پناہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ چند شعر یہ ہیں۔

دلم بشوق روان میشود بنالش
بطوف مرقد تو ہر کہ میرود ای شاہ
بیان مدح تو دیگر مجال نطق کجا
ہمان کہ قصہ دراز آمدہ شب کوتاہ
ہمیں بس است کہ خوانی غلام خادمؔ را
بروز حشر تو از لطف یا رسول اللہ ؎

اس کے بعد صفحہ ۵ سے ۲۱ اشعار پر مشتمل بعنوان ''قصیدہ ہٰذا در مدح سلطان محمد بشیر الدین'' ایک قصیدہ درج ہے جس میں سلطان محمد بشیر الدین کی علم پروری، اس کے عدل وانصاف، اس کی مخلوق نوازی اور اس کے اخلاق وکردار کی حد درجہ تعریف کی گئی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۶ پر ۲۷ اشعار پر مشتمل سندھ کے امیر سلطان حسین علی کی مدح وستائیں میں خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ اس میں سلطان کی فتح وکامرانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اسکے جود وسخا اور رعایا پروری کے گن گائے گئے ہیں۔ ایک قصیدہ صفحہ ۸ پر امیر سید عالی نسب حسین علی سے متعلق ہے جو ۲۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ میں گرچہ امیر کے جود وسخا کا تذکرہ ضرور ہے مگر شاعر اس کے جود وسخا سے محروم رہا جس کی وجہ سے ''بت ہندوی'' سے تشبیہ دیکر اس کی

بے اعتنائی اور بیوفائی کا شکوہ بہت ہی عالم بیزاری میں کیا ہے جس پر یہ اشعار دال ہیں۔ ۹؎

مکن جفا تو دگر ورنہ شکوہ تو بدم
بہ شاہزادۂ سندھ سند سکندر ثانی
امیر سید عالی نسب حسین علی
کہ ہست بر سر تو ظلہائی یزدانی
دریں قصیدہ نظر کن کہ مختصر گفتم
کہ تا ملال نیابد ترانہ طولانی
بسی امید ز التفات تو ہای تو دارم
ترا سزد کہ مرا بینیاز گردانی
ز بحر مکرمت خود مرا بکن سیراب
کہ قطرہ اش بکند بہر تشنہ عمانی
دو ماہ شد کہ من افتادہ ام دریں غربت
بصد ہزار عناد و بصد پریشانی
روا مدار خدارا تو فقی دیگر
بر آر مطلب من زود کن بآسانی
بس ایں دعا بتو ہردم ہمیکند خادم
کہ تا زمانہ بپا شد تو در جہاں مانی ۱۰؎

مذکورہ اشارے اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ شاعر نے بہت ساری امیدیں وابستہ کرکے سلطان کے در دولت پر حاضری دی تھی مگر نامرادی اور محرومی کے سبب شکوہ گو ہوئے۔

اس کے بعد صفحہ ۱۰ پر بعنوان "قصیدہ ہذا در شکایت روزگار" ایک منظومہ ہے جس

میں زمانے کی بے اعتنائی اور بیوفائی کا گلہ کیا گیا ہے۔نظم ۲۱ اشعار پر مشتمل ہے مگر اخیر میں شاعر نے انسان کو خود داری، خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کی تعلیم دیتے ہوئے اسے غیر اللہ سے بیزار اور دور رہنے کی نصیحت کی ہے۔کہتا ہے۔

بہر روزی مروی بہ در ہا ای خرد مند صاحب فرہنگ
حق تعالیٰ است رازق و مالک میدبہ رزاق او بکو رو پلنگ
التجا از کسی مکن ز نہار در دل خود بگر عزت و ننگ
نیست وضع زمانہ قابل دید خادم ایک نشین بگوشہ تنگ ۱۱

مذکورہ اشعار سے شاعر کی توحید پرستی اور شرک وبدعت سے اجتناب کا اظہار ہوتا ہے جس کی ہمت افزائی ہونی لازمی ہے۔

صفحہ ۱۲ پر نواب واجد علی شاہ کی شان میں ایک قصیدہ ہے جو ۲۱ اشعار پر مشتمل ہے۔قصیدہ کیا ہے گویا آسمان وزمین کے قلابے ملادئے گئے ہیں۔لکھنؤ کے معزول نواب جن کی آخری جائے سکونت کلکتہ تھی اس پر یہ شعر دیکھیں۔

خاک پاپش گشت ضیابرج ہچو لکھنؤ
کز شرافت خاک او بگذاشت برسر آسمان

صفحہ ۱۳ پر بعنوان ''قصیدہ در تہنیت شادی راجۂ پٹیالہ'' ایک قصیدہ ہے جو پٹیالہ کے راجہ کے جشن شادی کے موقع سے ہے جبکہ قصیدہ کے کل ۳۳ اشعار میں سے ایک شعر بھی شادی کے تعلق سے نہیں ہے بلکہ یہ قصیدہ مسند نشینی کے تعلق سے ہے اور سہواً اسے شادی سے نسبت دیدی گئی ہے۔پہلا شعر خود ہی اس ابہام کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے۔شعر ملاحظہ ہو۔

ز آسمان و زمین شور تہنیت برخاست
کہ جشن صدر نشینی راجۂ والاست

قصیدہ مذکورہ میں راجہ کے جشن صدر نشینی کی عکس کشی نہایت لطیف اور خوبصورت

انداز میں کی گئی ہے اور راجہ کے عدل وانصاف اور اس کے اخلاق وکردار کا برملا اظہار کرتے ہوئے اسے ہدیۂ تحریک سے نوازا گیا ہے۔

ایک قصیدہ سلطان بشیر الدین سے متعلق ہے جو صفحہ ۱۶ سے ۱۹ تک محیط ہے۔ اس میں کل ۵۴ اشعار ہیں۔ صفحہ ۲۰ پر ایک قصیدہ سلطان فخر الدین کی مدح وثنا میں مرقوم ہے جس میں ۲۴ اشعار ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۲۱ سے ۲۳ تک ۲۰ اشعار پر مشتمل ایک غزل ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ای ز ہجر تو گشتہ ام بیمار
یادم از داروی وصال بہار

پھر صفحہ ۲۳ پر آٹھ اشعار پر مشتمل سلطان محمد بشیر الدین کی تعریف وتوصیف میں ایک قصیدہ درج ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۳ سے ۲۶ تک سلطان سے منسوب ایک غزل ہے ایک قصیدہ صفحہ ۲۶ سے ۲۹ تک درج ہے اس میں ۴۲ اشعار ہیں۔ اس قصیدہ میں خواجہ عبدالغنی کو ان کے گھر کسی بچہ کے تولد ہونے پر مبارکبادیاں دی گئی ہیں نیز ان کی تعریف اور عدل وانصاف کا تذکرہ بھی ہے۔ صفحہ ۲۹ پر ایک نظم ہے جس میں ۱۹ اشعار ہیں جو سلطان بشیر الدین محمد کی مدح وثنا میں کہی گئی ہے۔

صفحہ ۳۱ سے اصل دیوان شروع ہے جو صفحہ ۲۲۸ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ حروف ہجا کے تحت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ غزلوں کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ دیوان میں کل ۳۶۵ غزلیں ہیں۔ سب سے پہلی غزل کا پہلا شعر یہ ہے۔ ع

الٰہی شور عشق افگن بجان ناتوان ما
کہ چوں نی نالہا خیزد زہر یک استخوان ما

عربی فارسی کے جید اسکالر مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی دیوان خادم کا جامع تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ”دیوان شاہد ہے کہ فارسی زبان جیسے خادم کی گھٹی میں پڑی تھی۔

ہندوستان کے فارسی گو شعرا بالعموم اپنا جو مقام رکھتے ہیں خادم بہ روانی کسی اعتبار سے بھی ان سے کم تر نہیں ہیں۔ دیوان کا بڑا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ قصائد، قطعات اور مثنویاں بھی ملتی ہیں۔ زبان سہل، سلیس اور پاکیزہ اور تکلفات سے پاک صاف، خیالات عام روش اگرچہ الگ نہیں تاہم کہیں کہیں بلند پروازی بھی ملتی ہے۔ طرز ادا سنجیدہ اور دلکش ہے۔ غرض پورا دیوان زبان و بیان کے لحاظ سے شاعر کی کہنہ مشقی اور حسن مذاق پر شاید عدل ہے۔ گاہ بگاہ شاعرانہ انانیت زمزمہ پردازی سے باز نہیں آتی لیکن اس میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔'' ۱۲؎

مولانا موصوف کے اس عالمانہ اور بصیرت افروز تبصرہ کے بعد مجھ جیسے کم مایہ میں یہ جرأت کہاں کہ دیوان خادم پر خامہ فرسائی کروں۔

غزلوں کے اختتام کے بعد صفحہ ۲۲۹ سے ۲۳۱ تک ۱۵ رباعیات درج ہیں۔ پہلی رباعی یہ ہے۔ ع

در دہر نہ از پئی صواب آمدہ ایم
از بہر خطا و خورد خواب آمدہ ایم
در صفحۂ کائنات بیکار و فضول
مانند خرابۂ کتاب آمدہ ایم

صفحہ ۲۳۲ سے ۲۳۳ پر قطعات درج ہیں۔ پہلا قطعہ یہ ہے

شکستہ بادپای چرخ کجرو چرا دست مرابی وجہ بشکست
کسی می نالد از دست غم اما من ایک نالہ دارم از غم دست

صفحہ ۲۳۳ سے ۲۳۶ تک کل ۱۳ مربعات درج ہیں۔ پہلا مربع یہ ہے کہ ع

در عشق نباتی کہ نیست جز رسوای مشہور شدم بہ ہندی وشیدائی
گر نیست وصال آن بت ہر جائی من بعد منم وگوشۂ تنہائی

صفحہ ۲۳۶ سے ۲۳۹ تک مکمل ۱۶ مخمس ہیں۔ پہلا مخمس یہ ہے۔ ع

در ہجر دم بہ دم جانان مراخوش است ہر لحظہ آہ ونالہ وافغان مراخوش است

دیگر کجا بہاروگلستان مراخوش است ایک جنون وسیر بیابان مراخوش است

دیوانہ ام وچاک گریبان مراخوش است

صفحہ ۲۴۰ سے ۲۴۵ تک مختلف شخصیات سے متعلق ۲۰ عدد تاریخی قطعات ہیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا قطعہ فرزند حسین سے متعلق ہے جو ایک عالم فاضل شخصیت تھے۔ ۴۷ سال کی عمر میں ان کی وفات ۱۲۷۱ھ میں ہوئی۔

دوسرا قطع بھی ملا محمد یوسف کی تاریخ وفات سے متعلق ہے۔ وہ جوگھریہ کے باشندہ تھے ان کی نیکخوئی اور وفات کا تذکرہ اس قطعہ میں کیا گیا ہے۔

تیسرا قطعہ بھی قاضی رسول بخش کی وفات سے متعلق ہے۔

چوتھا قطعہ غلام علی سے متعلق ہے جو اہل سخن میں سے تھے اور جن کا تخلص آزاد تھا۔

پانچواں قطعہ مولانا نجیب اللہ شہبازی کے بارے میں ہے جنہیں خادم نے اپنا مرشد کہکر پکارا ہے۔ ۱۲۸۰ھ میں ان کی وفات پر یہ قطعہ کہا گیا ہے۔

چھٹا قطعہ تاریخ پیدائش سے متعلق ہے جو مقسوم علی کے یہاں فرزند کی ولادت پر کہا گیا ہے جس میں نوزاد کو مبارکباد پیش کی گئی ہے۔

ساتواں قطعہ بھی حکیم شمس الضحیٰ کے یہاں فرزند تولد ہونے سے متعلق ہے۔

آٹھواں قطعہ بیگم شہزادہ خورشید بخت کے یہاں دختر تولد ہونے پر لکھا گیا ہے۔

نواں قطعہ کسی علی احمد کی وفات سے متعلق ہے اور دسواں قطعہ مولوی انعام حیدر، جو جاہ ومنصب والے تھے، کے یہاں فرزند تولد ہونے سے متعلق ہے۔

گیارھواں قطعہ ایک مسجد کی تاریخ تعمیر سے متعلق ہے جسے بشیر الدین صاحب نے

تعمیر کروایا تھا۔

بارھواں قطعہ میر اصغر کے یہاں تاریخ تولد فرزند سے متعلق ہے جس کی پیدائش بروز جمعرات مورخہ ۶/ جمادی الاول بوقت صبح صادق ہوئی تھی۔

تیرھواں قطعہ بھی تاریخ تعمیر مسجد سے متعلق ہے جسے چاند خان نے بنوایا تھا۔

چودھواں قطعہ ایک اہل دل عارف باللہ بزرگ بنام رضاء اللہ کی وفات سے متعلق ہے۔

پندرھواں قطعہ مولوی شمس الدین مرحوم کی وفات سے متعلق ہے جو شب جمعہ ۱۲۸۶ ہجری کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے تھے۔ مرحوم نہایت متقی پرہیزگار اور پابند شرع فقیہ تھے۔ خادم نے ان کی موت پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

سولھواں قطعہ اسد اللہ خاں غالب سے متعلق ہے جو خادم کے ہمعصر تھے اور خادم نے ایکبار دلی جاکر ان سے شرف نیاز حاصل کیا تھا۔ انہوں نے غالب سے اپنی بے پناہ محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں 'یکتائے دہر' اور 'ملک سخن کا بادشاہ' کہا ہے۔

سترھواں قطعہ انعام، منعم اور ان کی والدہ کی صحت یابی سے متعلق ہے جنہوں نے بخار کے مرض میں مبتلا رہ کر صحت حاصل کی تھی۔

اٹھارواں قطعہ راجہ مہتاب چند بہادر کے شہر دہلی سے کوچ کرنے پر ہے۔ جنہوں نے ۱۲۸۴ھ کو دہلی سے رخت سفر باندھا تھا۔

انیسواں قطعہ کوئی مسعود نام کی شخصیت پر تاریخ وفات سے متعلق ہے۔

بیسواں اور آخری قطعہ مولوی زین العابدین مرحوم حیدر آبادی کی تاریخ وفات کے تعلق سے ہے۔ مرحوم کو خادم نے اپنا مرشد تسلیم کیا ہے۔ مرحوم حیدر آباد کی عظیم دینی شخصیت تھے۔ دین و ملت کی پیشوائی کے علاوہ اپنے زمانہ کے علماء اور فضلاء کبار میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی وفات ۲۵/ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ کو ہوئی تھی۔ ان کا مزار مقدس مکی میں ہے۔

خادم نے ان کی وفات پر گہرے رنج والم کے ساتھ عقیدت ومحبت کے پھول برسائے ہیں۔ اس کے علاوہ خادم نے علیحدہ سے بعنوان "در احوال وآثار مولانا مرحوم" ۲۰ اشعار پر مشتمل ایک منظومہ بھی لکھا ہے جو صفحہ ۲۴۵ پر درج ہے اس میں خادم نے ان کے دینی عالمانہ پہلو کو خوب اجاگر کیا ہے اور ان کی یہ خوش آئند تصویر پیش کی ہے کہ وہ مجتہد اور فقیہ تھے قرآن وسنت کے علم کے علاوہ پابند شریعت ۔ توحید پرست اور شرک سے بیزار تھے۔ نہایت عارف وکامل انسان تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا عین مقصد حیات تھا اغنیاء سے بے نیاز تھے اور فقر ان کا لبادہ تھا۔ طواف حرم کے موقع پر انہوں نے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

اس کے بعد صفحہ ۲۴۷ سے ۲۴۸ تک ۱۹ اشعار پر مشتمل ایک مرثیہ ہے جو سید محمود علی مرحوم کی وفات سے متعلق ہے۔ مرحوم خادم کے خاندان کے ایک فرد تھے جو عین عالم شباب میں ۱۲۷۸ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے ۔ اس جواں مرگی پر خادم اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور پورے مرثیے کو تاسف اور حسرت کا لبادہ پہنا دیا۔ صفحہ ۲۴۹ سے ۲۵۲ تک ۴۳ اشعار پر مشتمل "مثنوی سوز وتپ" کے عنوان سے ایک مثنوی ہے جس میں خادم نے دنیا کی بے ثباتی اور بیوفائی کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی پریشانی کا یوں اظہار کیا ہے کہ مجھے اس دنیا میں کوئی خضر راہ نظر نہیں آتا جو مجھے میرے متاع گم گشتہ تک رہنمائی کردے۔ خادم کا حال اس قدر ابتر ہے کہ ایک دن علی الصباح ان کے ایک دوست جن کا تخلص شمس تھا آکر ان سے ان کا حال دریافت کرتے ہیں تو خادم اپنی بیقراری کا اظہار کرتے ہوئے خود کو واصل حق ہوجانے کی خواہش کرتے ہیں۔

یہ اشعار دیکھیں ع

شمس آمدہ صبح بر سر من
پرسید زحال ابتر من
گفتم کہ منم و بیقرار

بہ آنکہ مرا بحق سپاری
راہ نفسم بسینہ شد تنگ
در شیشۂ عمر دہر زد سنگ

غرضیکہ خادم کو اس عالم آب وگل میں جو ناپائیدار ہے اچھا نہیں لگتا اور وہ جلد از جلد یہاں سے رخصت ہوجانا چاہتے ہیں۔ وہ اس دنیوی زندگی کو جہاں رنج وغم کا ہجوم ہے اور جہاں کوئی کسی کا پرسان حال نہیں قیامت سے تشبیہ دیتے ہیں اور یوں حیات دنیوی سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ ع

ہیہات ہیہات رخت بستہ
مرگ آمدہ روبرو نشستہ
در عمر ندیدہ ام چنین شب
بس روز قیامت است ہر شب
یارب بعطائی خود کہ دانی
بخش از سر نو تو زندگانی

مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہے۔ ع

ای ساقی خضر پی کجائی
غافل ز من این قدر چرائی

صفحہ ۲۵۲ سے صفحہ ۲۵۳ تک ۲۲ اشعار پر مشتمل" دربیان صحت" کے عنوان سے ایک مثنوی ہے جس میں بیماری سے اپنی صحت یابی کا تذکرہ کرتے ہوئے خادم نے خدا کا شکر ادا کیا ہے اور بروز قیامت پیغمبر (ص) کی شفاعت کے وسیلے سے خدا سے مغفرت طلب کی ہے۔ پہلا شعر یہ ہے۔ ع

چوں صبح فروغ بخش جاں شد
روشن ز فروغ او جہاں شد

صفحہ ۲۵۳ سے صفحہ ۲۵۵ تک بعنوان '' درنصیحت فرزند ارجمند متخلص بہ مضطر'' ۲۹ اشعار پر مشتمل ایک اور مثنوی ہے جس میں خادم نے اپنے لخت جگر کو مخاطب کر کے اسے گرانقدر نصائح سے نوازا ہے۔ آغاز اس شعر سے ہے۔ ع

ای نور نظر بلند افکار

کوئیم دوسہ حرف یاد در دار

مثنوی مذکور میں خادم نے اپنے فرزند کو سب سے پہلے علم وہنر سے آراستہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور اس کے بعد اسے حرص وطمع اور شہوت رانی سے منع کیا ہے۔ نیز راہ صداقت اختیار کرنے، طلب دین اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا نیک مشورہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ فراغت کے اوقات میں مذاق شعر گوئی سے بھی لطف اندوز ہونے کی نصیحت کی ہے جس سے انسان کی فکر میں بلندی اور پختگی آتی ہے۔ دیگر اخلاقی برائیوں مثلاً زرپرستی، تکبر، حسد، عداوت اور دوسروں پر احسان جتانے سے بھی منع کیا ہے اور خودداری اور دنیا سے بے نیازی کی اعلیٰ تعلیم دی ہے۔

اس کے بعد صفحہ ۲۵۶ سے ۲۵۸ تک ۳۶ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی ہے جس کا نام ہے ''مثنوی بہار حسن'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔ ع

کلکلام چو طراز داستان کرد

زین گون حکایتی بیان کرد

اس مثنوی میں خادم نے ایک ایسے دنیاوی معشوق کے حسن و ادا کی عکس کشی کی ہے جس کے دیدار کے لئے ایک خلقت امنڈ پڑتی ہے۔ ہر کوئی اس کے ناز و ادا اور حسن بلاخیز میں گرفتار ہے لیکن خادم اس ضعیف کو اجاگر کرنا چاہتا ہے کہ دنیا جس حسن وعشق پر نثار ہے وہ مجازی ہے۔ یہ حسن مستعار، فانی اور بے رنگ ہے۔ یہ حسن پرفریب ہے لہٰذا اس پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار ان شعروں میں کرتا ہے۔ ع

خادمؔ تن زن از این فسانہ زین بحر در آں دور کرانہ
تا چند حدیث عشق خوانی تا چند زعشق نکتہ زنہار
بر حسن بتان ماہ رخسار زنہار مخور فریب زنہار
این حسن بتان کہ چون بہار است رہ بنگر کہ مستعار است
بر حسن مجاز ہاں نہ دلبند شہ از بدبہر دل بپیوند
صد فتنہ بدبہر یقین کہ پیداست صد آفت وصد بلا ہویدا است
زینجا کہ مقیم جاں نہ جسم است بگریز کہ خانہ طلسم است

خادم نے دراصل دنیاوی معشوقوں کے استعارے سے انسان کو دنیا پرستی سے باز رہنے کی تعلیم دی ہے جو اصل جائے فتنہ ہے اور جس محبت میں گرفتار ہوکر انسان سو آفتوں اور بلاؤں کو نہ صرف یہ کہ دعوت دیتا ہے بلکہ اپنا متاع ایمان بھی کھو بیٹھتا ہے۔

اس کے بعد صفحہ ۲۵۹ سے ۲۶۱ تک ۳۳ اشعار پر مشتمل بعنوان ”مثنوی درصفت چای۔“ ایک مثنوی ہے جس میں چائے کی صفت، اس کی خوبی اور کیفیت۔ اس کے رنگ و بو اور خصوصیات کا تذکرہ بڑے ہی دلکش اور لطیف پیرائے میں کیا ہے تا کہ چائے سے بیزار لوگ بھی اس سے رغبت کرنے لگیں۔ اسی مثنوی سے متصل ۱۹ اشعار پر مشتمل ایک ”ساقی نامہ“ ہے جس میں خادم نے ساقی سے چای چای کی رٹ لگادی ہے۔ وہ بجائے جام ومینا کے چائے کا عاشق ہے اور اس کی زندگی چائے سے وابستہ ہے جس کے بغیر ایک لمحہ اسے قرار نہیں۔ چند اشعار سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو۔ ع

ساقیا چای را شتاب بدہ گر بناشد تو گرم آب بدہ
العطش العطش صدای زماست ساغر چای ہم کجاست کجاست
صبر وتسکین بہ ہیچ صورت نیست ساغر وجام را ضرورت نیست
تا بکے سغر می دعی ہر بار کیتلی را بکام من بسیار

ساقی آن آب زندگانی کو مایۂ عیش صد جوانی کو
بسکندر کہ رفت در ظلمات گو بیا و بنوش آب حیات

خادم نے ۲۶۳ صفحہ سے ۲۷۰ صفحات پر محیط ۱۷۵ چھوٹے چھوٹے فارسی جملوں پر مشتمل ایک رسالہ بعنوان ''این سخن بادوستان'' تحریر کیا ہے جو اسی دیوان میں شامل ہے اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر جملے سے ۱۲۹۵ کی عدد برآمد ہوتی ہے۔ جو دراصل اس ہجری سال سے منسوب ہے جس میں رسالہ مذکورہ ترتیب دیا گیا ہے اس سے خادم کے فن تحریر اور زبان وبیان پر اس کی کامل دستگاہ کا اظہار ہوتا ہے۔ خادم خود رقم طراز ہے۔

درسینہ یک ہزار ودوصد ونود وپنج کلماتیکہ بادوستان وشاگردان بطریق نصائح تاریخ آن سال بسلک تحریر کشیدہ رسالہ ہذا ترتیب دادم برناظرین واضح باد۔'' ص۔ ۲۶۳

صفحہ ۲۷۱ پر کسی دوست عزیز کے نام ایک فارسی خط ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک لفظ بھی عربی زبان کا مستعمل نہیں ہے اسلئے اس خط کا عنوان یہ ہے'' رقعۂ ہذا بلا استعمال الفاظ عربیہ'' اس میں خط نہ لکھنے کا دوست سے گلہ کیا گیا ہے اور نامہ نگاری کو پائیدار اور دوستی کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد'' رقعہ ہذا بلا نقطہ'' کے عنوان سے صفحہ ۲۷۲ پر ۷ سطروں پر مشتمل ایک خط ہے جس میں بے نقطہ حروف مستعمل ہیں یہ خط اساڑھ ماہ کی ۲ تاریخ کو تحریر کیا گیا ہے اور اسی ماہ کی ۳ تاریخ کو غیر منقوط حروف پر مشتمل ایک اور خط ہے۔ پہلے خط میں محمد اکرم اور محمد اطہر مخاطب ہیں اور دوسرے خط میں مکتوب الیہ کا پتہ نہیں۔ تیسرا خط ۲۷۳ صفحہ پر درج ہے جو ساڑھے ۳ سطروں پر مشتمل ہے اس میں نقطے دار حروف ہیں اور شیخ نبی بخش اس کے مخاطب ہیں۔ اسی صفحہ پر عی'' رقعہ ہذا موصل'' کے عنوان سے تین اشعار پر مشتمل ایک خط ہے جس میں حکیم فیض علی اور علی بخش کا ذکر ہے۔ ایک خط ۲۷۴ صفحہ پر درج ہے جو اس عنوان سے ہے۔'' رقعہ بصنعت مفرد'' صفحہ ۲۷۵ پر دیوان کے تعلق سے فارسی زبان میں ایک تقریظ ہے جس کو مولوی اشرف الدین احمد صاحب المخاطب الدولہ بہادر نے نہایت

فصیح و بلیغ زبان میں تحریر فرمایا ہے اس کے بعد چند سطریں خدا کی حمد پر رقم کی گئی ہیں بعد ازاں حضرت رسول اکرم (ص) اور ان کی آل پر درود وسلام اور تعریف و توصیف کے کلمات ہیں۔ اس کے بعد صاحب دیوان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ پھر ''کمال شودا شعار'' کے عنوان سے ۱۱ اشعار پر مشتمل مزید ایک تقریظ ہے جو خادم کی پاکیزہ اور بلند پایہ شاعری اس کے زبان وبیان پر دلالت کرتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہو۔ ع

معین شاعر فرخندہ بنیاد — سخندان و سخن را کامل استاد
بطبع آوردہ دیوان معلا — کہ باشد رشک گفتارش مسیحا
مئی خوشرنگ مینائے فصاحت — عروس حجلہ آرائی براعت
فروغ دیدۂ اہل کمال است — بمضمون لالی پر وصالی است
خدایا این دبیر بردوانی — کہ دارد در سخن نام ونشانی
بمید ون شاہ اقلیم ہنر باد — بہ تخت فہم ودانش جلوہ گر باد
بود نقد سخن تاج رواجی — بکس ہرگز مبادا احتیاجی
بماند این کلامش تاقیامت — بحق حضرت ختم رسالت
عجب دیوان اندر روزگاست — برای اشرف الدین یادرگاست
چہ دیوانیکہ مصباح یقین است — نظافت بخش چون ماہ معین است
سن تاریخ طبعش این چنان باد — کہ خادم نزد اشرف ارمغان داد

اس کے بعد اس تقریظ کو اس عبارت پر ختم کیا گیا ہے۔''خلاصہ کلام تقریظ در اختتام این است کہ دیوان بلاغت توامان حضرت خادم اندرین دوران بس غنیمت است حقتعالی موانع مصنف بدارین بخیر گرداناد فقط۔'' (ص ۲۷۹) اس کے بعد صفحہ ۲۷۹ پر بلند فکر شاعر مولوی الطاف حسین متخلص بسحر المعروف مولوی دھوسن باڑھوی کی طرف سے دیوان خادم سے متعلق ایک تقریظ ہے۔ مولوی صاحب نے سب سے پہلے خادم کا تعارف کرایا ہے۔ اس

کے بعد ۱۸ اشعار پر مشتمل ایک منظوم تقریظ ہے جس میں خادم کو انھوں نے شعروادب کی دنیا میں انفرادی مقام عطا کیا ہے اور اسے عرفی وغیرہ کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اس کے دیوان کی فصاحت و بلاغت اور روانی بیان کا ذکر ہے اور اس کی نکتہ سنجی کی داد دیتے ہوئے اسے بے مثال ادیب قرار دیا گیا ہے اس کے بعد اس کے اخلاق و کردار اور نیک خصائل کا تذکرہ ہے اس کے بعد خادم سے متعلق یہ قابل رشک عبارت ہے۔

''کس چہ داند کہ این گنج گرانمایہ رشک مخزن اسرار و غیرت مطلع انوار چہار پایہ بلند دارد مرتبۂ ارجمند پس کرلیا را کہ بوصف این کتاب مستطاب لب تقریر کشاید'' اس کے بعد چھ اشعار پر مشتمل ایک غزل ہے جس کے صرف مقطع درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ع

بہار بردوان ہچوں مصلا ای سحر بنگر
کہ مثل بلبل شیراز از آن جا آشیاں دارد

مذکورہ غزل میں دیوان خادم کو گلستان اور بوستان سے مماثلت دیگر دیوان کو جہاں خاص اہمیت دی گئی ہے وہیں شاعر کے مقام و مرتبہ کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دیوان سے متعلق مزید تعریفی و توصیفی اشعار، ایک تاریخی قطعہ بعنوان ''مشرف گردد قطعہ تاریخ'' پھر چند تاریخی اشعار اور اخیر میں نو اشعار پر مشتمل دعائیہ کلمات ہیں۔ (ص۔ ۲۸۰۔ ۲۸۵)

اس کے بعد صفحہ ۲۸۶ سے ۲۸۸ تک دیوان کی تعریف و توصیف میں کلمات گرانبہا کے دریا بہادیے گئے ہیں۔ چند ابتدائی سطور ملاحظہ ہوں۔

''شیرازہ بندی مجموعہ سخن بحمد خداوند مؤلف دیوان وجود کاتب سر دفتر شہود است کہ صفحۂ افلاک را بیانات بروج و نثر انجم آراستہ و قطعۂ زمین را فرادمردم پیراستہ و لفظہا را عرض جوہر معنی ساختہ و شاہد سخن را بہر ہنت وسمۂ تشبیہات و سپیدات و زرک استعارات و غازیہ کنایات و مرۂ اشارت و حنائی بندش و گلگونۂ رنگین آراستہ بہر چار بالش فصاحت و بلاغت و متانت و سلامت نشانیدہ... الخ (ص، ۲۸۶)

اس کے بعد چند سطور خدا کی حمد وثنا اور پیغمبر (ص) کی نعت مبارک کی نذر ہیں اور بعد از اں دیوان اور صاحب دیوان سے متعلق قیمتی آراء کا یوں اظہار کیا گیا ہے۔

"اما بعد بر ضمائر دبیران دقیقہ رس وروشن ضمیران صبح نفس مخفی ومحتجب نماند کہ این دیوان است نگارین وکتابی است بہارین کہ ہر شعرش از مضامین شیرین حلاوت آگین وہر سطرش از معانی رنگین طراوت قرین ہر صفحہ اش چمن است از بوستان نضارت وہر ورقش گلشن است از گلستان لطافت وہر نقطہ اش خال عارض مہوشان وہر مصرعہ اش بیت ابروی معشوقان از تصانیف شاعر خوش بیان فصیح اللسان شکرین مقال نازک خیالی گلدستہ ریاض سخندان.... وحید العصر فرید الدہر رشک فردوسی وخاقانی غیرت وہ انوری وحسجدی.... صاحب فہم وذکا منشی دفتر فصاحت دبیر نسخہ بلاغت جناب منشی محمدی صاحب خوشنویس تخلص خادم بردوانی دام فیضہ.... الخ" (ص ۲۸۶-۲۸۸)

مذکورہ عبارت میں دیوان خادم اور اس کے کلام سے متعلق جن گرانقدر خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور خادم سے متعلق بھی جو توصیفی کلمات ادا کیے گئے ہیں اس سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ واقعی خادم عرفی، خاقانی، فردوسی۔ انوری اور حسجدی جیسے ارباب فارسی ادب کے حلقے میں شمار کیے جانے کے قابل ہے اور اس کا دیوان بھی گلستان، بوستان اور شاہنامہ جیسی ادبی معرکتہ الاراء اور معروف زمانہ تصانیف میں فہرست کیے جانے کے قابل ہے۔

کتابیات:

۱۔حسن انوشہ: دانشنامۂ ادب فارسی، جلد چہارم ص، ۱۰۳۲ تہران، ۱۳۷۵ شمسی

۲۔مولانا معصومی: "غالب اور منشی محمدی خادم بردوانی" برہان، مارچ ۱۹۷۹

۳۔دیوان خادم بردوانی مع مقدمہ، مطبع قادریہ چٹو تلہ گلی ۱۶۔ کلکتہ، ۱۳۰۲ھ

☆☆☆☆☆

۱۔حسن انوشہ: دانشنامۂ ادب فارسی، جلد چہارم ص ۱۰۳۲، تہران ۱۳۷۵ شمس مولانا معصومی:

''غالب اور منشی محمدی خادم بدروانی'' برہان دہلی، مارچ ۱۹۷۹ء، ص ۱۷۲-۱۷۸

۲-مقدمہ دیوان خادم، ص ۵

۳-دیوان خادم، ص ۲۸۸

۴-مقدمہ دیوان خادم، ص ۳

۵-ایضاً

۶-مقدمہ دیوان خادم، ص ۸

۷-دیوان خادم، ص ۳

۸-دیوان، ص ۳-۴

۹-ایضاً، ص ۵-۸

۱۰-دیوان، ص، ۸-۱۰

۱۱-ایضاً، ص ۱۱-۱۲

۱۲-مولانا معصومی، ص ۱۷۵

❁❁❁

ایس مراد نقوی، سنبھلی

بیٹی

بیٹی بھی کردگار کا اک شاہکار ہے   زحمت نہیں ہے رحمت پروردگار ہے
کچھ لوگ آج کہتے ہیں بیٹی کو بار ہے   بیٹی تو خاندان کی فصلِ بہار ہے

بیٹی نہیں تو گھر میں اُداسی برستی ہے
بیٹی بھی گھر میں مثلِ گُل تر مہکتی ہے

بیٹے کی طرح بیٹی بھی دل کا قرار ہے   گھر کا چراغ وہ تو یہ گھر کی بہار ہے
بیٹی بھی اک عطیۂ پروردگار ہے   بیٹی کہیں بہن ہے کہیں ماں کا پیار ہے

بیٹی محبتوں کا خزانہ ہے دوستو
پھر کیوں یہ نفرتوں کا نشانہ ہے دوستو

کچھ لوگ بیٹیوں کو بھلا جانتے نہیں   کیا مرتبہ ہے انکا وہ گردانتے نہیں
بیٹی کا ہونا نیک شگن مانتے نہیں   گویا وہ اپنے آپ کو پہچانتے نہیں

بیٹی نہ ہو تو نسل کا کب سلسلہ چلے
جیسے بغیر تیل کے دیپک نہیں جلے

پیچھے نہیں ہیں بیٹیاں راہ حیات میں   بیٹوں کے ساتھ ساتھ ہیں ہر ایک بات میں
وہ بھی کسی سے کم نہیں اعلیٰ صفات میں   ہیں ایک سنگ میل وہ اپنی ہی ذات میں

بیٹی کسی بھی حال میں بیٹے سے کم نہیں
اہل خرد کو بیٹی کے ہونے کا غم نہیں

بیٹی نے کارنامے یہ اکثر دکھائے ہیں   حسن عمل سے دور اندھیرے بھگائے ہیں
کوشش سے اپنی بگڑے مقدر بنائے ہیں   کب مشکلوں میں اس کے قدم ڈگمگائے ہیں

اتنی اٹھی زمام حکومت سنبھال لی
کشتی وطن کی جس نے بھنور سے نکال لی

گھر میں بہ حسن وخوبی فرائض نبھاتی ہے — چھوٹے بڑے ہر ایک کے وہ کام آتی ہے
پہلے کھلا کے دوسروں کو کھانا کھاتی ہے — اپنے عمل سے گھر کو وہ جنت بناتی ہے
بیٹوں سے بھی وہ آگے ہے میرے خیال میں
بے مثل ہے مریضوں کی وہ دیکھ بھال میں

بیکار ہے مکاں درودیوار کے بغیر — شمشیر کیا کرے گی بھلا دھار کے بغیر
کشتی نہ چل سکی کبھی پتوار کے بغیر — رونق نہیں ہے بیٹی کے کردار کے بغیر
بے جا ہے یہ خیال کہ بیٹی فضول ہے
بیٹی محبتوں کے گلستاں کا پھول ہے

جس گھر میں آج ایک بھی بیٹی جوان ہے — گھر والے سوچتے ہیں مصیبت میں جان ہے
بے سود یہ خیال ہے بے جا گمان ہے — بیٹی کے دم قدم سے تو گھر بھر کی شان ہے
بیٹی بری نہیں ہے برا یہ سماج ہے
خالق کے ہاتھ بیٹیوں والے کی لاج ہے

بیٹا اگر چراغ تو بیٹی ہے روشنی — بیٹا اگر حیات تو بیٹی ہے زندگی
بیٹا اگر سرور تو بیٹی بھی ہے خوشی — بیٹا اگر ہے پھول تو بیٹی بھی ہے کلی
دونوں کے دم سے گھر کا چمن لالہ زار ہے
ہوں ایک رنگ پھول تو سونی بہار ہے

بیٹی ہر ایک حال میں خدمت گذار ہے — اس کو تو گھر میں چھوٹے بڑے سب سے پیار ہے
شرم وحیا کے ساتھ اطاعت شعار ہے — بیٹی تو اہل خانہ کا عزو وقار ہے
بیٹی سے گھر کا حسن دوبالا ہے دوستو

بیٹا اگر ہے چاند وہ ہالا ہے دوستو

کتنی عزیز ہے دل مادر سے پوچھئے　　جس گھر میں پل رہی ہے اسی گھر سے پوچھئے

الفت کا اس کی حال برادر سے پوچھئے　　بیٹی کے مرتبہ کو پیمبر سے پوچھئے

کیا منزلت تھی بیٹی کی دل میں رسول کے

آواز دے کے جاتے تھے گھر میں بتول کے

نقوی عجیب ہوگیا اس دور کا مزاج　　بیٹی کو ایک بوجھ سمجھنے لگا سماج

بیٹی سے کل جو انس تھا ملتا نہیں وہ آج　　بیٹی کے واسطے نہیں اس میں نئے رواج

لعنت جہیز کی جو زمانے پہ چھائی ہے

بیٹی اسی جہیز کے چکر میں آئی ہے

لَہُو

رزاق افسر

یہ ہوا لہو وہ فضا لہو، ہے زمین کرب و بلا لہو
ہے لہو لہو یہ فرات سب، وہ خلا سے آگے گیا لہو

ہے نفس نفس میں لہو کی بو، تو نظر نظر کا متن لہو
یہ کہاں سے دشت بلائیں یوں، ہے ابل پڑا اے خدا لہو

یہ ڈگر لہو کی عجب ڈگر، یہ سفر لہو کا عجب سفر
جو سحر لہو میں ہے تربتر تو چراغ شب کی ضیا لہو

وہ جواں امید بچھڑ گئی۔ کسی ماں کی گود اجڑ گئی
مگر حق کی رہ سے نہ ٹل سکا، یہ نبیؐ کے گھر سے بندھا لہو

کوئی پیاس ایسی نہیں نہیں، کوئی جبر ایسا نہیں نہیں
یہ عجیب تشنہ لبی جسے، جو دیا تو سب نے دیا لہو

وہ شہید ارض فرات کی، مجھے یاد آئی جو تشنگی
مرا حرف حرف تڑپ اٹھا، تو ورق ورق ہے بنا لہو

رزاق افسر

زندگی سے شناسائی چاہو اگر، کربلا کے شہیدوں کی جانب چلو
جبر باطل سے چاہو رہائی اگر، نینوا کے اسیروں کی جانب چلو

گر حرارت ہو مطلوب ایمان کی، گر ہو خواہش تمہیں حق کے عرفان کی
جن میں آلِ نبی کا ہے سب کچھ لٹا.. بس انہیں جلتے خیموں کی جانب چلو

لا الہ کا سفر سیکھنے کے لیے، رہبری کا ہنر سیکھنے کے لیے
سر اٹھائے ہوئے سر سے باندھے کفن۔ شہر شہدا کے رستوں کی جانب چلو

سخت نرغے میں باطل کی یلغار کے، سخت یورش میں تیروں کی بوچھار کے
ابن حیدر نے حق کا جو خطبہ دیا، اس کے پاکیزہ لفظوں کی جانب چلو

حق کی خاطر وہ اکبر سا بانکا جواں، حق کی خاطر وہ اصغر کی ننھی سی جاں
کر کے قربان جو مسکراتے رہے، ان کے شاداب چہروں کی جانب چلو

مرحلہ عشق صادق کا آساں نہیں، سب کے حصے میں آئے یہ ممکن نہیں
آرزو اس کی افسر اگر ہے تمہیں، بس نبیؐ کے نواسوں کی جانب چلو